اَلْقَوْلُ الْمُبِیْنُ فِیْ مَنْهَجِ اسْتِدْلَالِ الْفُقَهَاءِ الْمُقَلِّدِیْنَ

مقلدین فقہاء کا منہج استنباط و استدلال

(فقہی احکام کے استخراج و استنباط میں مقلد فقہائے کرام کا کردار)



دارالافتاء اہلسنت (دعوتِ اسلامی)
DARUL IFTA AHLESUNNAT

مصنف

مفتی محمد سرفراز اختر عطاری مدنی مدظلہ العالی

پیش کش: مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	مقدمہ	9
2	مقلدین فقہاء کا منہجِ استنباط واستدلال	14
3	مقلدین فقہاء کے منہجِ استدلال کی امثلہ	21
4	علتِ منصوصہ سے استدلال کرنا	22
5	اوجھڑی کے متعلق حکمِ کراہت کا استخراج	22
6	اُلو کے حکم کا استخراج	25
7	مردوں کا کندھوں سے نیچے بال بڑھانے کا حکم	27
8	عورتوں کا سر پہ عمامہ باندھنا	28
9	عورتوں کا مردانہ طرز کی انگوٹھی پہننا	29
10	عورتوں کا سر کے بال کٹوانا	30
11	مرد کا ہتھیلی یا تلووں پہ مہندی لگانا	31
12	طوطے کے حکم کا استخراج	32
13	دلالۃ النص سے استدلال کرنا	33
14	پانی سے عجز کی صورت میں تیمم کی صورتوں کا استخراج	34
15	پانی کی اجرت مثل سے متعلق مسئلہ میں تیمم کی مزید صورتوں کا	34

	استخراج	
16	نمازی کے سامنے جوتا ہونے کا مسئلہ	35
17	جسم پر کوئی ایسی چیز لگی ہو جو جلد تک پانی پہنچنے سے مانع ہو، تو وضو و غسل کا حکم	36
18	عورتوں کا ناک چھدوانا	39
19	29 شوال کو ہلالِ ذیقعدہ اور 29 ذیقعدہ کو ہلالِ ذی الحجہ تلاش کرنے کے حکم کا استخراج	41
20	کیا اولیائے کرام بعدِ وصال زندہ رہتے ہیں؟	42
21	بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے، شوہر کا بیوی کی خالہ یا اس کی پھوپھی سے نکاح کرنے کا حکم	43
22	طاعون کے وقت قنوتِ نازلہ پڑھنے کا حکم	44
23	کیا وضو کی طرح غسل کا پانی بھی نیکیوں کے پلے میں رکھا جائے گا؟	45
24	کلی کا حکم جزئیات میں جاری کرنا	46
25	مائے مطلق کی جامع تعریف اور اس کی 38 نئی صورتوں کا استنباط	47
26	جن چیزوں سے تیمم جائز ہے اور جن چیزوں سے تیمم جائز نہیں، ان میں اضافہ	48
27	غیر مستعمل پانی کی صورتوں کا استخراج	49
28	نابالغ بچے نے کسی حوض یا کنویں سے پانی بھرا، پھر اس پانی کو حوض یا	50

	کنویں میں اُنڈیل دیا، تو کیا حکم	
29	نیند سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ	52
30	کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنے کا مسئلہ	53
31	بینک کی ملازمت کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام	54
32	کنووں میں دوا ڈال کر انہیں صاف کرنے کا مسئلہ	55
33	حربی غیر مستامن کے مال کا مسئلہ	56
34	دولہا کا پھولوں والا سہرا پہننا	57
35	عموم واطلاق سے استدلال کرنا	58
36	مجلس میلاد میں ذکر ولادت مصطفی ﷺ کے وقت قیام کرنا	62
37	غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کے لیے گیارہویں کرنا	65
38	اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنا	67
39	کیا نابالغ بچہ ایصال ثواب کر سکتا ہے؟	68
40	سوتیلی ساس سے نکاح کا حکم؟	72
41	حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ماکان ومایکون کا ثبوت	74
42	نماز جنازہ کے بعد دعا کا حکم	75
43	برزخی تصور کے ساتھ ذکر کرنا	76
44	نماز پنجگانہ کے بعد مصافحہ کا ثبوت	77

45	بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ رب العزت ہے	80
46	مبہمات کی صراحت اور مجملات کی تفصیل کرنا	84
47	وکالت کا مسئلہ	84
48	آمر ومامور کے درمیان اختلافِ ثمن کی صورت میں قولِ معتبر کا تعین	86
49	جانور کو شراب پلانے کے حکم کی تفصیل	88
50	تیمم کی تعریف پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض اور امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب	89
51	لباسِ شہرت کی تعریف	90
52	مسجدِ محلہ میں جماعتِ اولیٰ ہو جائے، تو جماعتِ ثانیہ کا حکم	92
53	جس حلال جانور کو شراب پلائی گئی اور فوراً ذبح کر دیا، تو کیا حکم	93
54	عورت نے اپنے دودھ میں پانی یا دوا ملا کر بچے کو پلا دیا تو کیا حکم ہے؟	97
55	اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہو، تو عدت کا حکم	98
56	مائے مطلق میں مائع چیزیں شامل ہو جائیں تو وضو ہونے نہ ہونے کی تفصیل اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی توضیح	100
57	حضانت کے مسئلہ میں مبہم اقوال کی توضیح	104
58	ولی کا اپنی نابالغ اولاد کا نکاح غیر کفو اور مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کروانا	109
59	مساوات (نظیر) کی دلالت سے استدلال کرنا	111

60	جن چیزوں سے اسلحہ بنایا جاتا ہے، مثلاً لوہا وغیرہ کی خرید وفروخت کا حکم	111
61	غیر محل میں لقمہ	112
62	حوض کے اندر نجاست پڑنے کا حکم	114
63	نہر سے وضو کرنا افضل ہے یا حوض سے	115
64	مزاراتِ اولیاء اللہ پر روشنی کرنا	116
65	پردہ نشین عورت کے گھر میں پانی موجود نہ ہو، تو تیمم کا حکم	120
66	حالتِ جنابت میں روزہ رکھا اور سارا دن جنبی رہا، تو کیا حکم	122
67	دعا میں " بمعقد العزمن عرشك " کے الفاظ استعمال کرنا	123
68	مسجد میں داخل ہو کر پہلے فرض ادا کیے، تو اس فرض کی ادائیگی سے تحیۃ المسجد ادا ہو جائے گی؟	124
69	مجتہد سے غیر منصوص احکام اور جو واقعات ومسائل مجتہد کے دور میں درپیش نہیں تھے ان میں مجتہد کے اصول کے ذریعے استنباط کرنا	125
70	منی آرڈر کی فیس کا مسئلہ	126
71	کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت	126
72	تاڑی پینے کا حکم	127
73	محرم کے لیے سنبل اور مشک کی خوشبو پر مشتمل خمیرہ تمباکو کا پینا	128
74	معتکف کا مسجد میں خرید وفروخت کرنا	130

75	چاند کی گواہی کا حکم	130
76	ہندوستان دار الاسلام ہے یا نہیں	132
77	رُوسر کی شکر کا مسئلہ	134
78	دار الاسلام میں حربی غیر مستامن کا مال مباح ہے	134
79	کافر کی بیوی مسلمان ہو جائے تو اس پر عدت واجب ہے؟	134
80	والد کی وفات کے بعد بڑا بھائی وصی کے حکم میں ہے یا نہیں؟	135
81	حالتِ روزہ میں انجیکشن لگوانے کا مسئلہ	136
82	ظاہر، نص، مفسر اور محکم سے احکام سمجھنا	137
83	کیا نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں بنفسِ نفیس اذان دی ہے؟	138
84	مرد کے لیے انگوٹھی پہننے کا حکم	140
85	حق مہر میں نمازوں کی ادائیگی، درودِ پاک کی کثرت، تعلیمِ قرآن یا حج و عمرہ کی ادائیگی کو مہر مقرر کرنا	142
86	حقیقی بیٹے کے فوت ہونے یا طلاق دینے کے بعد، باپ کا اس کی بیوی یعنی اپنی بہو سے نکاح کرنا	143
87	بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے بیوی کی بہن سے نکاح کرنے کا حکم	144
88	بدمذہبوں کے پاس بیٹھنے، ان سے رشتہ رکھنے کا حکم	145
89	بھائی کی رضاعی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟	146

90	مختلف پتھروں اور نگینوں والی انگوٹھیاں پہننے کا حکم	148
91	ضرورتاً سونے کی ناک لگوانے کا حکم	150
92	مقدمات منصوصہ سے نتیجے کا استخراج	150
93	مقدماتِ منصوصہ سے افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ثبوت	151
94	ہبہ بالعوض	152
95	مسئلہ رُوسر اور مقدمات عشرہ	154
96	حقہ پینے کا حکم	161
97	29 ذیقعدہ کو ذی الحجہ کا چاند تلاش کرنا عام لوگوں پر واجبِ کفایہ اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ ہے	163
98	مائعات کی اقسام	164
99	تفقہ فی الدین ہر کس وناکس کا منصب نہیں!	167
100	ماخذ ومراجع	175

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ:

شروع اسلام کا دور بڑا زرخیر ہے، جہاں خدمت حدیث کے لیے بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے، وہیں خدمت فقہ کے لیے کئی مجتہدین پیدا ہوئے جو امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی رضی اللہ عنہما کی طرح مجتہد مطلق اور صاحب مذہب تھے، مگر رفتہ رفتہ ان کے پیروکار اور علماء باقی نہ رہے، ان مذاہب کی روایات محفوظ نہ رہ سکیں، اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ اب صرف چار مذاہب یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ میں سے کسی ایک پر عمل کرنا ہوگا، یہی چار گروہ نجات پانے والے ہیں، ان سے خروج جائز نہیں ہے۔

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:"

فعلیکم معاشر المومنین باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله وحفظه وتوفيقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته فی مخالفتهم، وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت الیو م فی مذاهب اربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله ۔ومن كان خارجا عن هذه الاربعة فی هذ الزمان فهو من اهل البدعة والنار

"ترجمہ: تو اے گروہ مسلمین! تم پر نجات یافتہ گروہ کی پیروی لازم ہے، جس کا نام اہل سنت و الجماعت ہے کیونکہ اللہ کریم کی مدد، اس کی حفاظت اور توفیق اہل سنت کی موافقت میں ہی ہے اور اللہ کی طرف سے ذلت، اس کی ناراضی اور غضب ان کی مخالفت میں ہے۔ یہ نجات پانے والا گروہ فی زمانہ چار مذاہب میں جمع ہے اور وہ چار مذاہب یہ ہیں: حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی، اور اس دور میں جو شخص ان چاروں مذاہب سے خارج ہو، وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔[1]

1... حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار، ج10، ص589، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"وما خالف الأئمة الأربعة مخالف للإجماع، وإن كان فيه خلاف لغيرهم، فقد صرح في التحرير أن الإجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للأربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة أتباعهم" اور جو ائمہ اربعہ کے مخالف ہے، وہ اجماع کے مخالف ہے اگر چہ اس میں ان کے علاوہ کسی کا اختلاف ہو، "تحریر" میں اس بات کی تصریح ہے کہ بے شک اس بات پر اجماع ہے کہ مذاہب اربعہ کے خلاف کسی پر عمل نہ کیا جائے، اس لیے کہ چاروں مذاہب محفوظ ومنضبط اور مشہور ہیں اوران کی پیروی کرنے والے کثیر ہیں۔[1]

امام اہلسنت، الشاہ، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"تقلید فرض قطعی ہے۔ اگر ایک مذہب کی پابندی نہ کی جائے، تو یا وقت واحد میں شیء واحد کو حرام بھی جانے گا اور حلال بھی، جیسے قراءت مقتدی شافعیہ کے یہاں واجب اور حنفیہ کے یہاں حرام اور وقت واحد میں شے کا حرام و حلال دونوں ہونا محال، یا یہ کرے گا کہ ایک وقت حلال سمجھے گا دوسرے وقت حرام، تو یہ اس آیت میں داخل ہونا ہو گا کہ ﴿يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا﴾ ایک سال اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور ایک سال اسے حرام ٹھہراتے ہیں۔ت) لاجرم پابندیِ مذہب لازم۔ اور اس کی تفصیل ہمارے فتاویٰ میں ہے۔ ملخصًا"[2]

اب پوری دنیا میں انہی چار مذاہب کے پیروکار پائے جاتے ہیں اور صدیوں سے کوئی مجتہد پیدا نہیں ہوا۔ مشہور مجتہدین ائمہ کے بعد، آنے والے فقہاء کرام اگرچہ علمی اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھے، مگر مجتہد نہیں تھے، بلکہ مقلد تھے۔ بڑے بڑے ائمہ مثل امام قاضی خان، امام

1...۔ الاشباہ والنظائر، ص92، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

2...۔ فتاویٰ رضویہ، ج29، ص392، 393، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

ابو جعفر طحاوی، امام کبیر خصاف، امام ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہم، یہ سب ائمہ اپنی علمی جلالت وشان کے باوجود مقلد تھے اور ائمہ مجتہدین سے مروی اصول و فروع میں مخالفت پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”اکابر اراکین مذہب، اعاظم اجلہ، رفیع الرتب مثل امام کبیر خصاف و امام اجل ابو جعفر طحاوی و امام ابو الحسن کرخی و امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ سرخسی و امام فخر الاسلام بزدوی و امام فقیہ النفس قاضی خان و امام ابو بکر رازی و امام ابو الحسن قدوری و امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ وغیرہم اعاظم کرام ادخلھم اللہ تعالی فی السلام (اللہ تعالی انہیں سلامتی کے گھر میں داخل فرمائے) کی نسبت علامہ ابن کمال باشا رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصریح نقل کی: انھم لا یقدرون علی شیء من المخالفۃ لا فی الاصول ولا فی الفروع۔ یہ اصلاً مخالفتِ امام پر قدرت نہیں رکھتے، نہ اصول میں نہ فروع میں۔“[1]

مگر مقلد یا تقلید سے عام طور پر جو مفہوم لیا جاتا ہے کہ جس میں استدلال و نظر کا کوئی کام نہ ہو، محض نقل پر جمود ہو اور امام کا قول نہ ملنے پر حیرانی و پریشانی ہو، یہ ایک اختراعی خیال ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسی بات وہی کر سکتا ہے یا سوچ سکتا ہے، جس کا فقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وگرنہ الحمد للہ ان مقلدین علماء نے اپنے اپنے علمی درجات کے مطابق بڑے شاہکار کام کئے، فقہ حنفی کی مجملات، مبہمات کی تفصیل، امام کے بیان کردہ اقوال کے دلائل کا تعین، مذہب مخالف کا رد اور اس طرح کے بہت سارے کام کئے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج27، ص78، 79، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

کہ تقلید کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ محض نقل پر جمود ہو، نظر و استدلال بالکل نہ ہو۔ ہدایہ، فتح القدیر، مبسوط وغیرہ بیسیوں کتب فقہ اس کی بہترین مثالیں ہیں کہ ان کتب کے مصنفین مقلد ہیں، مگر ان کتب کا جو بنظر غائر مطالعہ کرے گا، اس پر اوپر مذکور دعوی کی صداقت آشکار ہو جائے گی۔ مقلدین فقہاء نے نہ صرف مذہب کی تشریح و توضیح کی ہے، بلکہ امام کے بیان کردہ اصول و قوانین و نظائر کو پیش نظر رکھتے ہوئے نوازل و حوادث کے نام سے عظیم فتاویٰ بھی تحریر کئے، اپنے اپنے وقت میں نئے پیش آمدہ مسائل کا بہترین حل پیش کیا اور یہ سلسلہ بحمد اللہ تعالی آج تک جاری ہے جیسے انتقال خون، پلاسٹک سرجری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، گھڑی کی چین، نماز میں اسپیکر کے استعمال اور اس طرح کے بہت سے مسائل میں موجودہ دور کے مقلد علماء نے مذہب کے اصول و قوانین کی روشنی میں ان جدید مسائل کا حکم بیان کیا ہے اور زمین ایسوں کے وجود سے ان شاء اللہ عزوجل تا قیامت خالی نہیں ہو گی۔

امام اہلسنت، الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اے عزیز! اس زمانہ فتن میں لوگوں کو احکامِ شرع پر سخت جرأت ہے، خصوصاً ان مسائل میں جنہیں حوادثِ جدیدہ سے تعلق و نسبت ہے، جیسے تار برقی وغیرہ، سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمہِ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا، جو مخالفت شرع کا ہم پر الزام چلے گا، مگر نہ جانا کہ علمائے دین شکر اللہ تعالی مساعیھم الجمیلۃ (اللہ تعالیٰ ان کی مساعیِ جمیلہ کو قبول فرمائے۔ت) نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے، تصریحاً تلویحاً تفریعاً تاصیلاً سب کچھ فرمادیا ہے، زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے اور ان شاء اللہ العزیز زمانہ بندگانِ خدا سے خالی نہ ہو گا، جو مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف، صدف سے گوہر، بذر

سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالیٰ قادر ہوں۔لا خلا الکون عن افضالھم و کثر اللہ فی بلادنا من امثالھم۔زمانہ ان فضلاء سے خالی نہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہمارے علاقوں میں زیادہ کرے۔ آمین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خاتم النبیین سیّدنا محمد وآلہٖ وصحبہ اجمعین واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔ "[1]

تقلید جمود محض کا نام نہیں اور استدلال و نظر سے مقلدین فقہاء بھی کام لیتے ہیں، اس کو واضح کرنے اور مذہب کے دائرے میں رہتے ہوئے استدلال و نظر سے کام لے کر کن کن طریقوں سے تائید مذہب یا استخراج مسائل ہو سکتا ہے، ہم ان شاء اللہ عزوجل اس کی مختلف صورتوں کو بیان کریں گے، پھر فقہاء کرام کے کلام میں ان طرق استدلال کی نشاندہی بھی کریں گے یعنی ان کی چند امثلہ بھی بیان کریں گے۔

ابو محمد محمد سرفراز اختر عطاری

19 شعبان المعظم 1446ھ / 18 فروری 2025

1... فتاویٰ رضویہ، ج 10، ص366، 367، مطبوعہ : رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْن

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقلدین فقہاء کا منہجِ استنباط و استدلال:

عمومی طور پر مقلد فقہائے کرام مذہب کی تائید و تفصیل، نئے مسئلہ کے استخراج یا استدلال کے لیے مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرتے ہیں اور یہ سب منہجِ استدلال، مجتہد کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

نمبر شمار	منہج
1	علتِ منصوصہ سے استدلال کرنا۔
2	دلالۃ النص سے استدلال کرنا۔
3	کلی کا حکم جزئیات میں جاری کرنا۔
4	عموم و اطلاق سے استدلال کرنا۔
5	مبہمات کی صراحت اور مجتہد کے مجملات کی تفصیل کرنا۔
6	مساوات کی دلالت (نظیر) سے مسائل کا استخراج کرنا۔
7	مجتہد کے غیر منصوص احکام و مسائل جو مجتہد کے دور میں درپیش نہیں آئے تھے، ان میں مجتہد کے اصول کے ذریعے استنباط کرنا۔
8	ظاہر، نص، مفسر اور محکم سے احکام سمجھنا۔
9	قیاس اقترانی اور استثنائی کی شرائط کی رعایت کرتے ہوئے مقدماتِ منصوصہ سے نتیجے کا استخراج کرنا۔

قواعد اصولیہ میں ہے:"الاستدلال بدلالة النص وبالعلة المنصوصة واجراء الحكم الكلي في جزئياته وتصريح المبهمات وتفصيل مجملات المجتهد واستخراج الجزئيات بدلالة المساواة والاستنباط باصول المجتهد في الاحكام التي لا نص فيها منه،وفي الوقائع والحوادث غير الموجودة في زمنه وفهم الاحكام من الظاهر والنص والمحكم والمفسر واستخراج النتيجة من المقدمات المنصوصة برعاية شرائط القياس الاقتراني والاستثنائي، كل ذالک ليس مخصوصا بالمجتهد،قال العلامة الطحطاوي في باب تسمية مبدا الكتب جوابا عن سوال " هل استنباط الحكم الشرعي من الادلة منصب المجتهد فقط؟ فقال: واما فهم الاحكام من نحو والنص الظاهر والمفسر فليس مختص به بل يقدر عليه العلماء الاعم منه"**وقال الامام الشعرانی فی المیزان:** فكما ان الشارع بين لنا بسنته ما اجمل من القرآن فكذالک الائمة المجتهدون بينو لنا ما اجمل من الاحاديث الشريفة ولولا بيانهم لنا ذالک لبقيت الشريعة على اجمالها،وهكذا القول في اهل كل دور بالنسبة للدور الذي قبله الى يوم القيمة "ترجمہ: دلالۃ النص اور علتِ منصوصہ سے استدلال کرنا، کلی کا حکم جزئیات میں جاری کرنا، مبہمات کی صراحت کرنا، مجتہد کی مجملات کی تفصیل کرنا، مساوات کی دلالت سے جزئیات کا استخراج کرنا، مجتہد سے غیر منصوص احکام اور جو واقعات و مسائل مجتہد کے دور میں درپیش نہیں تھے ان میں مجتہد کے اصول کے ذریعے استنباط کرنا، ظاہر، نص، مفسر اور محکم سے احکام سمجھنا اور قیاس اقترانی اور استثنائی کی شرائط کی رعایت کرتے ہوئے مقدماتِ منصوصہ سے نتیجے کا استخراج کرنا، یہ سب مجتہد کے ساتھ مخصوص نہیں۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تسمیۃ مبدأ الکتب کے باب میں اس سوال کا جواب دیا ہے کہ کیا دلائل سے احکام اخذ کرنا فقط مجتہد کا خاصہ ہے؟ اس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ظاہر، نص، مفسر اور محکم سے احکام سمجھنا، فقط مجتہد کا خاصہ نہیں، بلکہ اس پر مجتہد

سے عام علماء بھی قادر ہیں۔ اور امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان میں فرمایا: جیسے شارع علیہ السلام نے ہمارے لیے مجملاتِ قرآن کو اپنی سنت سے بیان فرمادیا ہے، ایسے ہی ائمہ مجتہدین نے احادیثِ شریفہ کے مجملات کو بیان فرمادیا ہے، اگر ان کا بیان نہ ہوتا تو شریعت اپنے اجمال پر باقی رہتی، اب تا قیامت ہر آنے والے دور کے لیے ماقبل دور کی بنسبت یہ قول ہے۔[1]

رئیس المتکلمین علامہ مفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "استدلال بدلالۃِ النص، و بعلتِ منصوصہ، واجرائے حکمِ کلی اس کے جزئیات میں اور تصریحِ مبہمات، وتفصیلِ مجملاتِ مجتہد، و استخراجِ جزئیات بدلالتِ مساوات، و استنباط اصولِ مجتہد سے جن احکام میں مجتہد سے نص نہیں اور وقائع وحوادث میں کہ اُس وقت تک نہ تھے، اور فہمِ احکامِ ظاہر ونص و محکم و مفسر سے اور استخراجِ نتیجہ مقدماتِ منصوصہ سے برعایتِ شرائطِ قیاسِ اقترانی واستثنائی مخصوص مجتہد نہیں۔

علامہ طحطاوی در باب تسمیہ مبدءِ کتب اس اعتراض کے جواب میں کہ "استنباط حکم شرعی ادلہ سے صرف منصب مجتہد کا ہے" لکھتے ہیں: وأما فهم الأحكام من نحو الظاهر والنص والمفسر فليس مختص به بل يقدر عليه العلماء الأعم منه۔ اور فہمِ احکامِ ظاہر ونص و محکم و مفسر سے مجتہد کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ اس پر ان سے عام علماء بھی قدرت رکھتے ہیں۔

اور علمائے متاخرین باوجود اقرارِ تقلید صدہا مسائل میں (بالخصوص جن میں مجتہد سے تصریح نہیں) احکام بیان کرتے ہیں۔

رد المحتار میں بذیل قول شارح: وقول ابن حجر: "بدعة"، أي: حسنة، وكل طاعون

1... قواعد اصولیہ، القاعدۃ العاشرۃ، استنباط المسائل واستخراج الاحکام لیس من خصوصیۃ المجتہد، ص55،56، مطبوعہ: دار اھل السنۃ

وباء، ولا عکس "لکھا:" هذا بيان لدخول الطاعون في عموم الأمراض المنصوص عليه عندنا، وإن لم ينصوا على الطاعون بخصوصه۔ یہ طاعون کی امراض کی عمومیت میں شامل ہونے کی وضاحت ہے، جس پر نص بھی وارد ہے اگرچہ وہ اسے بالخصوص طاعون پر نص نہ بنائیں۔

صاحب ہدایہ وغیرہ فقہاء ہر مسئلہ کو دلیلِ عقلی و نقلی سے ثابت کرتے ہیں، آج تک کسی نے نہ کہا کہ یہ دلیل، مجتہد سے ثابت نہیں، اور مصنف مرتبہ اجتہاد نہیں رکھتا، تو اس کا استخراج اور استنباط معتبر نہیں، یہاں تک کہ شاہ عبد العزیز و شاہ ولی اللہ رحمہا اللہ کی تصانیف میں ہزار جگہ عموم واطلاق وغیرہم مذکورات سے استخراجِ احکام موجود ہے۔"[1]

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:" عموم واطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک علماء میں شائع وذائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا، توجہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی، ہمیشہ محمود رہے گی تاوقتیکہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے، مثلاً مطلق ذکرِ الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت، تو جب کبھی، کہیں، کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی، بہتر ہی ہوگی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یادِ الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت، غرض جس مطلق کی خوبی معلوم، اس کی خاص خاص صورتوں کی جداجدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی، بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا، یہ محتاج دلیل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے: شاع وذاع احتجاجهم سلفاً وخلفاً بالعمومات من

---

1 ... اصول الرشاد، ص184 تا187، مطبوعہ: ادارہ اہل سنت، کراچی۔

غیرنکیر۔ متقدمین و متاخرین کا عمومات سے استدلال کرنا بغیر کسی انکار کے معروف اور رائج ہے ۔اسی میں ہے: العمل بالمطلق یقتضی الاطلاق۔ مطلق پر عمل کرنا اطلاق کا تقاضا کرتا ہے۔ تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے: العمل به ان یجری فی کل ماصدق علیه المطلق اس پر عمل کرنا یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز میں جاری ہو جس پر مطلق صادق آتا ہے۔"[1]

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:" اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوٰی یا اجرائے علتِ منصوصہ خاصہ مجتہد نہیں، کما نص علیه العلامة الطحطاوی تبعا لمن تقدمه من الاعلام (جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے متقدمین بزرگوں کی اتباع میں نص کی ہے)۔"[2]

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اپنے رسالہ مبارکہ "اقامة القیامه علی طاعن القیام لنبی تهامه " میں ارشاد فرماتے ہیں :"حوادث غیر متناہی ہیں ،احادیث میں ہر جزئیہ کے لیے نام بنام تصریح احکام اگر فرمائی بھی جاتی ان کا حفظ و ضبط نامقدور ہوتا ۔پھر مدارج عالیہ مجتہد ان امت کے لیے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے وہ نہ ملتے، نیز اختلافات ائمہ کی رحمت ووسعت نصیب نہ ہوتی۔ لہٰذا حدیث نے بھی جزئیات معدودہ سے کلیات حاویہ مسائل نامحدودہ کی طرف استعارہ فرمایا۔اس کی تفصیل و تفریع و تاصیل مجتہدین کرام نے فرمائی **اور احاطہ تصریح ناتناہی کے تعذر نے یہاں بھی حاجت ایضاح مشکل و تفصیل مجمل و تقیید مرسل**

1...۔ فتاوٰی رضویہ،ج26،ص528،529، مطبوعہ:رضافاونڈیشن ،لاہور۔

2...۔ فتاوٰی رضویہ،ج20،ص238، مطبوعہ:رضافاونڈیشن ،لاہور۔

باقی رکھی، جو قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً مشائخ کرام وعلمائے اعلام کرتے چلے آئے۔ ہر زمانہ کے حوادث تازہ احکام اس زمانے کے علماء کرام، حاملان فقہ وحامیان اسلام نے بیان فرمائے اور یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف راجع ہوئے اور ہوتے رہیں گے، حتی یاتی امراللہ وھم علی ذٰلک (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لے آئے اور وہ لوگ اسی حال پر ہوں۔)

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں: مافضّل عالم ما اجمل فی کلام من قبلہ من الادوار الالللنور المتصل من الشارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فالمنۃ فی ذٰلک حقیقۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الذی ھو صاحب الشرع لانہ ھوالذی اعطی العلماء تلک المادۃ التی فصلوا بھاما اجمل فی کلامہ کما ان المنۃ بعدہ لکل دورعلی من تحتہ فلوقدر ان اھل دور تعدوا من فوقھم الی الدورالذی قبلہ لانقطعت وصلتھم بالشارع ولم یھتدوا لایضاح مشکل ولاتفصیل مجمل، وتامل یااخی لولا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فصل بشریعتہ مااجمل فی القراٰن لبقی القراٰن علی اجمالہ کما ان الائمۃ المجتھدین لولم یفصلوا ما اجمل فی السنۃ لبقیت السنۃ علی اجمالھا وھکذا الی عصرنا ھذا، فلولا ان حقیقۃ الاجمال ساریۃ فی العالم کلّہ ماشرحت الکتب ولاترجمت من لسان الیٰ لسان ولاوضع العلماء علی الشروح حواشی کالشروح للشروح۔ جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانے کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے، وہ اسی نور سے ہے جو صاحب شریعت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے ملا، تو حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا تمام امت پر احسان ہے، انہوں نے علماء کو یہ استعداد عطا فرمائی جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔ یونہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے

بعد والوں پر احسان ہے اگر فرض کیا جائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے، تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے، وہ کٹ جائے گا اور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفسیر پر قادر نہ ہوں گے۔ برادرم! غور کر، اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملات قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے، قرآن عظیم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے حدیث یونہی مجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک، تو اگر یہ نہیں کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کئے ہوئے ہے، تو نہ متون کی شرح لکھی جاتی نہ ترجمے ہوتے نہ علماء شرحوں کی شرح (حواشی) لکھتے۔

اب یہی دیکھئے کہ کتب ظاہر الروایۃ و نوادر ائمہ تھیں، پھر کتب نوازل و واقعات تصنیف فرمائی گئیں، پھر متون و شروح و حواشی و فتاویٰ وقتاً فوقتاً تصنیف ہوتے رہے اور ہر آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافہ کئے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن وسنت کی تفصیل ہے

۔

نصاب الاحتساب وفتاویٰ عالمگیری زمانۂ سلطان عالمگیر انار اللہُ تعالیٰ برھانہ کی تصنیف ہیں، ان میں بہت ان جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع ہی نہ ہوئے تھے، اور کتب نوازل وواقعات کا تو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے، اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یا خاص امام اعظم وصاحبین کا نص لاؤ تو وہ احمق مجنون یا گمراہ مفتون، پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد اب قریب زمانہ کی کتابیں فتاویٰ اسعدیہ وفتاویٰ حامدیہ وطحطاوی علی مراقی الفلاح وعقود الدریہ وردالمحتار

ورسائل شامی وغیرہا کتب معتمدہ ہیں کہ تمام حنفی دنیامیں ان پر اعتماد ہورہاہے دور اول کے سوا یہ سب تیرہویں صدی کی تصنیف ہیں، مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں، ان میں صدہا وہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے اور مانعین کے یہاں تو فتاویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب بلکہ مائۃ مسائل و اربعین تک پر اعتماد ہورہاہے کیامائۃ مسائل واربعین کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ وتابعین وائمہ تو بہت بالاہیں عالمگیری وردالمحتار تک کہیں دکھاسکتے ہیں۔ اب ان کے بعد بھی ریل، تار، برقی، نوٹ، منی آرڈر، فوٹوگراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ تابعین یا امام ابوحنیفہ یا یہ نہ سہی ہدایہ یا درمختار یا یہ بھی نہ سہی عالمگیری وطحطاوی وردالمحتار یایہ سب جانے دوشاہ عبدالعزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ، تواسے مجنون سے بہتر اور کیالفظ کہا جاسکتا ہے۔ ملخصا"[1]

مقلدین فقہاء کے منہجِ استدلال کی امثلہ:

مندرجہ بالا سطور میں اجمالاً یہ بیان کیا گیا کہ مقلدین فقہاء کرام احکامِ شرعیہ کے استنباط واستخراج میں کن کن مناہجِ استدلال کو اختیار کرتے ہیں۔ اب ہم توضیح وتفہیم کی خاطر ان تمام مناہجِ استدلال کو بالترتیب ذکر کریں گے۔

ہر ایک کی تفصیل بیان کرنے کے ساتھ اس سے ماخوذ چند تفریعات کو مثالوں کے ذریعے واضح کریں گے، تاکہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا نہ صرف فقہاء کرام کی فقہی بصیرت اور قوتِ استدلال سے واقف ہوسکے، بلکہ یہ بھی سمجھ سکے کہ مقلدین فقہاء کرام مختلف اصولوں کی روشنی میں، کس طرح، کسی شرعی حکم کا استخراج کرتے ہیں۔

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج26، ص500تا502، مطبوعہ: رضافاونڈیشن، لاہور۔

1 علتِ منصوصہ سے استدلال کرنا

علتِ منصوصہ سے استدلال کا مفہوم یہ ہے کہ کسی نص میں دی گئی کسی خاص علت یا وجہ کی بنیاد پر ایسے مسائل کا حکم نکالا جائے جو نص میں صراحتاً مذکور نہ ہوں، لیکن وہ علت کی موجودگی کی وجہ سے اسی حکم کے تحت آتے ہوں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں بلی کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ نجس نہیں ہے، کیونکہ یہ تمہارے ارد گرد گھومنے والوں اور گھومنے والیوں میں سے ہے۔

ہمارے فقہاء نے اس حدیث کی روشنی میں ہر اس جانور کو، جو گھروں میں رہتا ہے، جیسے چوہا اور سانپ، بلی پر قیاس کیا ہے، کیونکہ ان میں بھی گھروں میں گھومنے پھرنے (طواف) کی علت پائی جاتی ہے۔ چونکہ بلی کے جوٹھے کو ناپاک قرار نہ دینے کی علت اس کا گھروں میں گھومنا (طواف) ہے، اس لیے یہی علت پائی جانے کی وجہ سے گھروں میں رہنے والے دیگر جانوروں کے جوٹھے کا بھی یہی حکم ہوگا۔

علتِ منصوصہ سے استدلال فقط مجتہد کا خاصہ نہیں، بلکہ مقلدین فقہاء بھی اس طریقہ سے استدلال کرتے ہوئے احکام کا استخراج کرتے ہیں۔

ذیل میں ہم اس طریقۂ استنباط سے احکام کی چند امثلہ پیش کرتے ہیں۔

(1)...اوجھڑی کے متعلق حکمِ کراہت کا استخراج:

ائمہ کرام سے جانوروں کے سات اجزاء "(1) پِتّہ (2) مَثانہ (3) مادہ کی شرمگاہ (4) نر کا عضوِ تناسل (5) کپورے (6) غُدود اور (7) خون" کی حرمت منصوص ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ان ساتوں چیزوں میں ایک بات مشترک پائی جاتی ہے جو ان کے مکروہ و ناپسندیدہ ہونے کی وجہ ہے اور وہ ان کا "خبیث ہونا" یعنی پاکیزہ طبیعت کے خلاف اور گھن کا باعث

ہونا ہے، لہذا فقہائے کرام نے استدلال کرتے ہوئے جانور کے مزید وہ اجزاء کہ جن میں یہ علت موجود تھی، انہیں بھی مکروہ و ممنوع قرار دیا اور اپنی کتب میں ان کے مکروہ ہونے پر نص فرمائی، مثلاً حرام مغز، گردن کے دونوں پٹھے، جگر کا خون، تلی کا خون، دل کا خون اور نطفہ وغیرہ کہ ان تمام اجزاء میں بھی گندگی کی علت پائی جاتی ہے۔ بلکہ سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دو اجزاء یعنی اوجھڑی اور دبر کو بھی حرام قرار دیا اور فرمایا: "چاہے اسے دلالۃ النص سے استدلال کرنا کہیں یا اجرائے علتِ منصوصہ بہر حال چھ اجزاء کی طرح اوجھڑی اور دبر کا کھانا بھی ناجائز و مکروہ تحریمی ہے کہ ان میں بھی خباثت دیگر حرام قرار دیئے گئے اجزاء سے زائد نہیں تو کم بھی نہیں۔"

امامِ اہلِ سنت، سیدی اعلی حضرت، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ بدن حیوان ماکول اللحم (حلال جانور کے جسم) میں کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا: "سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار کی گئیں (1) مرارہ یعنی پتہ (2) مثانہ یعنی پھکنا (3) حیا یعنی فرج (4) ذَکَر [عضو تناسل](5) اُنثَیین [کپورے](6) غُدَّہ [یعنی غُدود](7) دم یعنی خون مَسفوح، اخرج الطبرانی فی المعجم الاوسط عن عبد اللہ بن عمرو ابن عدی، والبیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھم، کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکرہ من الشاۃ سبعا المرارۃ والمثانۃ والحیاء والذکر والانثیین والغدۃ والدم (طبرانی نے معجم الاوسط میں عبد اللہ بن عمر اور ابن عدی سے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذبیحہ کے سات اجزاء کو مکروہ قرار دیتے تھے: (1) پِتّہ (2) مَثانہ (3) مادہ کی شرمگاہ (4) نر کا عضوِ تناسل (5) کپورے (6) غُدود (7) خون) ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خون تو حرام ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی تحریم منصوص، اور باقی چیزیں میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ سلیم الطبع (پاکیزہ طبیعت

والے)لوگ ان سے گھن کرتے ہیں اور انہیں گندی سمجھتے ہیں۔۔۔اور مختار ومعتمد یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔۔۔یہ توسات بہت کتب مذہب، متون وشروح وفتاویٰ میں مصرح اور علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب غنیہ الفقہاء وعلامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ وعلامہ سیدی احمد مصری محشی درمختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (8) نخاع الصلب یعنی حرام مغز۔۔۔(9) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اور فاضلَین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں (10) خون جگر (11) خون طحال [تلی کا خون] (12) خونِ گوشت یعنی دم مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق (تحقیق کی بلندی تک اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہی پہنچا جاسکتا ہے، لہذا میں اللہ کی دی ہوئی توفیق سے یہ کہتا ہوں کہ) علماء کی ان زیادت سے ظاہر ہوگیا کہ سات میں حصر مقصود نہ تھا، بلکہ صرف باتباعِ نظمِ حدیث ونصِ امام ان پر اقتصار واقع ہوا، اور خود ان علمائے زائدین نے بھی قصد استیعاب نہ فرمایا، یہ امر انہی عبارات مذکورہ سے ظاہر، اور اس پر دوسری دلیل واضح یہ کہ جگر وطحال وگوشت کے خون گنے اور (13) خون قلب چھوڑ گئے حالانکہ وہ قطعاً ان کے مثل ہے۔۔۔اور نیز عدم حصر پر ایک اور دلیل قاطع یہ ہے کہ عامہ کتب میں دم مسفوح اور ان کتابوں میں دم لحم وکبد وطحال کو شمار کیا، تو اس سے واضح کہ کلام اعضاء سے اخلاط تک متجاوز ہوا، اور بیشک اخلاط سے (14) مرہ بھی ہے یعنی وہ زرد پانی کہ پتہ میں ہوتا ہے جسے صفرا کہتے ہیں اور ہمارے علماء کتاب الطہارۃ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا حکم مثل پیشاب کے ہے، بلکہ بعض نے تو مثل خون کے ٹھہرایا۔ درمختار میں ہے: مرارۃ فی حیوان کبولہ (حیوان کا پتہ اس کے پیشاب کی مانند ہے) حلیہ میں ہے: قیل مرارۃ الشاۃ کالدم و قیل کبولھا خفیفۃ عندھما طاھرۃ عند محمد (بعض نے کہا بکری کا پتہ خون کی طرح ہے اور

بعض نے کہا: پیشاب کی طرح ہے، شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پاک ہے۔)۔۔۔ تو واضح ہوا کہ عامہ کتب میں لفظ سبع (سات) صرف باتباع حدیث ہے۔ جس طرح کتب کثیرہ میں شاۃ (بکری) کی قید۔۔۔ حالانکہ حکم صرف بکری سے خاص نہیں، یقیناسب جانوروں کا یہی حکم ہے۔۔۔ تو جیسے لفظ شاۃ محض باتباع حدیث واقع ہوا، اور اس کا مفہوم مراد نہیں، یونہی لفظ سبع اور اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوٰی یا اجرائے علت منصوصہ خاصہ مجتہد نہیں۔۔۔ اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اشیاء ستہ کی علتِ کراہت پر نص فرمایا کہ "خباثت ہے" **اب فقیر متوکلاً علی اللہ تعالٰی کوئی محل شک نہیں جانتا کہ (17) دُبر یعنی پاخانے کا مقام (18) کرش یعنی اوجھڑی (19) امعاء یعنی آنتیں بھی اس حکمِ کراہت میں داخل ہیں (یعنی مکروہ تحریمی وناجائز ہیں)، بیشک دُبر فرج وذکر سے اور کرش وامعاء مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں، فرج وذکر اگر گزر گاہ بول ومنی ہیں دُبر گزر گاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدن بول ہے شکنبہ ورُودَہ مخزنِ فرث ہے اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھئے خواہ اجرائے علت منصوصہ۔ ملخصاً**"[1]

(2)...اُلو کے حکم کا استخراج:

علت منصوصہ کے ذریعے استدلال کی ایک مثال "الو" کے حکم کا استخراج ہے کہ سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے "الو" کے بارے میں سوال ہوا کہ حلال ہے یا حرام؟؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً اس بات کو ذکر فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ہر درندے کیلے والے اور ہر پرندے پنجہ والے کے کھانے سے منع فرمایا اور کتب حنفیہ میں اس ضابطہ کی

1... فتاوٰی رضویہ، ج 20، ص 234 تا 239، رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

تصریحات بھی موجود ہیں، اس کے بعد مرآت الاصطلاحات اور عجائب المخلوقات وغیرہ کتب اور مشاہدہ سے ثابت فرمایا کہ "الو" بھی پنجے سے شکار کرتا ہے اور پھر اس علتِ منصوصہ سے حکم کا استخراج کرتے ہوئے فرمایا کہ "الو" حرام ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حموی پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے: انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن اكل كل ذى ناب من السباع وكل ذى مخلب من الطير، رواه مسلم وابوداؤد وجماعة، والسر فيه ان طبيعة هذه الاشياء مذمومة شرعا فيخشى ان يتولد من لحمها شيئ من طباعها فيحرم اكراما لبنى آدم كما انه يحل ما احل اكراما له حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر درندے کیلے والے اور ہر پرندے پنجہ والے کے کھانے سے منع فرمایا، مسلم وابوداؤد وغیرہما ایک جماعت محدثین نے یہ حدیث روایت کی، اور اس میں راز یہ ہے کہ ان چیزوں کی خصلت شرعا بد ہے تو اندیشہ ہے کہ ان کا گوشت کھانے سے کچھ خصلت ان کی سی آدمی میں پیدا ہو جائے، لہذا انسان کی عزت کے لیے ان کا کھانا حرام ہوا، جیسے کہ اس کی عزت ہی کے لیے حلال جانور حلال کیے گئے۔

غرض یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہے جس پر ائمہ حنفیہ کا اجماع ہے، اور اس سے ہر گز کوئی پنجہ والا پرندہ کہ سباع طیر سے ہو مستثنیٰ نہیں اور شک نہیں کہ الو پنجہ والا پرندہ ہے۔ بلکہ اس کے پنجے بہت شکاری پرندوں سے زیادہ قوی اور تیز ہیں اور شک نہیں کہ گوشت اس کی خوراک ہے، اور شک نہیں کہ وہ اپنے سے کم طاقت پرندوں پر حملہ کرتا ہے، یہ سب باتیں یقینا معلوم ہیں، اور فقیر کے سامنے بہت شکار پیشہ مسلمانوں نے بیان کیا کہ یہ پرندہ شکاری ہے، پانچ سکان بریلی نے کہ ان میں چار صاحب قوم کے قراول، اور پانچوں نمازی نیک سنی صحیح العقیدہ ہیں، ہفدہم ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ کو میرے سامنے اس مضمون کی شہادت ادا کی، اور ان میں بعض نے کہا ہمارے سامنے طوطے کو

شکار کرلے گیا، بعض نے کہا کھونٹی پر شکرہ بندھا تھا شکرہ کو مارلے گیا، حالانکہ شکرہ اتنا بڑا اور قوی اور خود شکاری جانور ہے، اور الو کی منقار بہت چھوٹی ہوتی ہے کہ چونچ سے اس کا قابو میں آنا معقول نہیں، نہ کہ ایسا زور کہ بندش توڑ کر زندہ لے جائے، لاجرم پنجہ سے شکار کیا، اور یہ امر اس جانور کی قوت سے کچھ عجب نہیں کہ وہ شکرہ سے بھاری جانور کو شکار کرلیتا ہے۔ غرض جب وہ شکاری جانور ہے تو اس کے حرام ہونے میں اصلا جائے کلام نہیں۔ ملخصا"[1]

(3)...مردوں کا کندھوں سے نیچے بال بڑھانے کا حکم:

علتِ منصوصہ سے استدلال کی ایک مثال یہ ہے کہ فقہاء کرام نے مرد کے لیے کندھوں سے نیچے بال بڑھا لینے کو ناجائز و موجب لعنت قرار دیا ہے۔ یہ بھی درحقیقت اجرائے علتِ منصوصہ کی قبیل سے ہے کہ حدیث مبارکہ میں مرد کے عورت سے مشابہت اور عورت کے مرد سے مشابہت اختیار کرنے پر لعنت فرمائی گئی۔ لعنت والے حکم کی بنیاد و علت چونکہ مشابہت کو بنایا گیا، اس طرح مشابہت علتِ منصوصہ ہوئی۔ کندھوں سے نیچے تک بال بڑھا لینے میں بھی چونکہ علت "مشابہت" پائی جارہی ہے، لہذا اجرائے علتِ منصوصہ کے طور پر فقہاء کرام نے اسے بھی حرام و موجب لعنت قرار دیا۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے گیسو (بال) ہنسلی سے نیچے تک بڑھا رکھے ہوں تو کیا وہ پیر ہو سکتا ہے؟؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا: "شانوں سے نیچے ڈھلکے ہوئے عورتوں کے سے بال رکھنا حرام ہے، مرد کو زنانی وضع کی کوئی بات اختیار کرنا حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

1...فتاویٰ رضویہ، ج20، ص314 تا317، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور جو اللہ و رسول کا ملعون ہو، پیشوا نہیں ہو سکتا اس کا مرید ہونا حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء، رواہ احمد والبخاری وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اللہ کی لعنت ان عورتوں پر کہ مردوں کی وضع بنائیں اور ان مردوں پر کہ عورتوں کی وضع اختیار کریں۔(مسند احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے اس کو روایت کیا ہے. ت)۔

حضور نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا کہ ایک عورت کو کمان کندھے میں لٹکائے دیکھا۔ رواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر۔(امام طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں اس کو روایت فرمایا. ت)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کی گئی، فلاں عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے۔ فرمایا: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الرجلۃ من النساء۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر کہ مردانی وضع لے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ کسی ایک بات میں مرد کو عورت، عورت کو مرد کی وضع لینی حرام وموجب لعنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گیسو انتہا درجہ شانہ مبارک تک رہتے بس یہیں تک حلال ہے آگے وہی زنانہ خصلت ہے بلکہ علماء نے اس سے بھی ہلکی بات میں مشابہت پر وہی حکم لعنت بتایا۔ ملخصا۔"[1]

(4)...عورتوں کا سر پہ عمامہ باندھنا:

1 ... فتاوٰی رضویہ، ج21، ص600تا602، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

علتِ منصوصہ سے استدلال کی ایک مثال یہ مسئلہ بھی ہے کہ عورتوں کا سر پر عمامہ باندھنا جائز نہیں ہے۔ یہ بھی درحقیقت اجرائے علتِ منصوصہ کی قبیل سے ہے کہ حدیث مبارکہ میں مرد کے عورت سے مشابہت اور عورت کے مرد سے مشابہت اختیار کرنے پر لعنت فرمائی گئی۔ لعنت والے حکم کی بنیاد و علت چونکہ مشابہت کو بنایا گیا، اس طرح مشابہت علتِ منصوصہ ہوئی۔ عورتوں کے سر پر عمامہ باندھنے میں بھی چونکہ علت "مشابہت" پائی جارہی ہے، لہذا اجرائے علتِ منصوصہ کے طور پر فقہاء کرام نے اسے بھی ناجائز و حرام قرار دیا۔

امام اہلسنت، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "زنان عرب جو اوڑھنی اوڑھتیں حفاظت کے لیے سر پر پیچ دے لیتیں اس پر ارشاد ہوا کہ ایک پیچ دیں دو نہ ہوں کہ عمامہ سے مشابہت نہ ہو۔ عورت کو مرد، مرد کو عورت سے تشبہ حرام ہے: امام احمد وابوداؤد وحاکم نے بسند حسن ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی: ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دخل علیھا وھی تختمر فقال لیۃ لالیتین۔ ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو (کیا دیکھا) کہ وہ اوڑھنی اوڑھ رہی ہیں تو ارشاد فرمایا سر پر صرف ایک پیچ ہو، دو پیچ نہ ہوں۔"[1]

(5)...عورتوں کا مردانہ طرز کی انگوٹھی پہننا:

علتِ منصوصہ سے استدلال کی ایک مثال یہ ہے کہ مردانہ طرز کی وہ انگوٹھی جو مردوں کے ساتھ خاص ہو، اسے عورتیں نہ پہنتی ہوں، کسی عورت کا ایسی انگوٹھی پہننا مردوں سے مشابہت کی وجہ سے ناجائز و حرام اور گناہ ہے اور اگر پہنتی ہو، تو ایسی تبدیلی کرکے پہن سکتی ہے،

1... فتاویٰ رضویہ، ج24، ص536، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

جس سے مردوں سے مشابہت باقی نہ رہے۔ یہ بھی در حقیقت اجرائے علتِ منصوصہ کی قبیل سے ہے۔

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”چاندی کی مردانی انگوٹھی عورت کو نہ چاہیئے اور پہنے، تو زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔ شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: زنان را تشبّہ برجال مکروہ است تا آنکہ انگشتری نقرہ زنان رامکروہ است واگر بکنند باید کہ رنگ کنند بزعفران ومانند آں عورتوں کو مردوں سے مشابہت اختیار کرنی مکروہ ہے اور اس کالحاظ اس حد تک ہے کہ عورتوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننی مکروہ ہے، اگر کبھی اتفاقاً پہننی پڑے، تو اسے زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔“[1]

(6)...عورتوں کا سر کے بال کٹوانا:

عورتوں کا سر کے بال اس طرح کٹوانا کہ مردوں سے مشابہت ہو، ناجائز وحرام ہے۔ یہ بھی در حقیقت اجرائے علتِ منصوصہ کی قبیل سے ہے۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ایک عورت کو مردانہ جوتا پہنے دیکھا اسے لعنت کی خبر دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو کمان لٹکائے ملاحظہ فرمایا، ارشاد فرمایا: ”اللہ کی لعنت ان عورتوں پر کہ مردوں سے تشبہ کریں۔“ حالانکہ جوتا کوئی جزو بدن نہیں جزو لباس ہے اور کمان جزو لباس بھی نہیں ایک خارج شے ہے جب ان میں مشابہت پر لعنت فرمائی تو بال کہ جزو بدن ہیں ان میں مشابہت کس درجہ حرام اور باعث لعنت ہو گی۔“[2]

1...فتاویٰ رضویہ، ج24، ص544، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

2...فتاویٰ رضویہ، ج6، ص610،611، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

ایک اور مقام پر آپ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:"عورت کو اپنے سر کے بال کترنا حرام ہے اور کترے تو ملعونہ کہ مردوں سے تشبّہ ہے۔ درمختار میں ہے: قطعت شعر رأسها اثمت ولعنت والمعنى المؤثر التشبه بالرجال ۔ کسی عورت نے سر کے بال کترڈالے تو وہ گنہگار ہوئی، نیز اللہ تعالٰی کی اس پر لعنت برسی۔ اور اس میں جو علت مؤثرہ ہے وہ مردوں سے "تشبّہ" ہے۔(ت) "[1]

(7)...مرد کا ہتھیلی یا تلووں پہ مہندی لگانا:

علتِ منصوصہ سے استدلال کی ایک مثال یہ ہے کہ مرد کا ہتھیلی یا تلووں بلکہ صرف ناخنوں پر مہندی لگانا بھی عورتوں سے مشابہت کی بناء پر ناجائز و حرام ہے۔ سوائے کسی عذر شرعی کے، جیسے زخم وغیرہ پہ لگانا جب کہ مہندی کے قائم مقام کوئی دوسری چیز زخم پر لگانے کے لیے نہ ہو اور نہ کوئی ایسی چیز ہو جس کے ساتھ مل کر مہندی کا رنگ زائل ہو جائے اور فقط دوا والا کام کرے، اور محض ضرورت کی بناپر بھی مہندی لگانا بطور دوا اور علاج ہی ہو، زیب وزینت اور آرائش مقصود نہ ہو۔ لیکن ہمارے ہاں عموماً زخم پر لگانے کے لیے دوائی با آسانی مل جاتی ہے، لہذا موجودہ صورتحال میں مہندی زخم پر لگانے کی بھی شرعاً اجازت نہیں۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"مرد کو ہتھیلی یا تلوے بلکہ صرف ناخنوں ہی میں مہندی لگانی حرام ہے کہ عورتوں سے تشبّہ ہے۔ شرعۃ الاسلام و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: الحناء سنّة للنساء ويكره لغيرهن من الرجال الا ان يكون لعذر لانه تشبه بهن شرعۃ الاسلام میں ہے: مہندی لگانا عورتوں کے لیے سنت ہے اور ان کے علاوہ مردوں کے

1...فتاوٰی رضویہ، ج24، ص543، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

لیے مکروہ ہے مگر جبکہ کوئی عذر ہو (تو پھر اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے) کیونکہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔اقول: والکراھة تحریمیة للحدیث المار لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء فصح التحریم ثم الاطلاق شمل الاظفار، اقول: وفیه نص الحدیث المار لو کنت امرأة لغیرت اظفارک بالحناء (میں کہتاہوں) کہ یہ کراہت تحریمی ہے گزشتہ حدیث پاک کی وجہ سے کہ جس میں یہ آیاہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں، لہٰذا تحریم یعنی کراہت تحریمی صحیح ہوئی۔اور اطلاق (الفاظِ حدیث) ناخنوں کو بھی شامل ہے۔ (میں کہتاہوں) اس میں بھی گزشتہ حدیث کی صراحت موجود ہے (حدیث: اگر تُو عورت ہوتی تو ضرور اپنے سفید ناخنوں کو مہندی لگاکر تبدیل کر دیتی)۔ اما ثنیا العذر فاقول ھذا اذا لم یقم شیئ مقامه ولا صلح ترکیبه مع شیئ ینفی لونه واستعمل لاعلی وجه تقع به الزینة۔رہا عذر کا استثناء کرنا، تو اس کے متعلق میری صوابدید یہ ہے کہ (عذر اس وقت تسلیم کیاجائے گا کہ) جب مہندی کے قائم مقام کوئی دوسری چیز نہ ہو، نیز مہندی کسی ایسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط نہ ہوسکے جو اس کے رنگ کو زائل کردے۔اور مہندی دوا اور علاج کے طور پر استعمال کرے نہ کہ زینت کے طور پر۔ ملخصا"[1]

(8)...طوطے کے حکم کا استخراج:

علتِ منصوصہ سے استدلال کی ایک مثال "طوطے" کے حکم کا استخراج ہے کہ فقیہ عصر حضرت علامہ نور اللہ نعیمی بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ سے طوطے کے متعلق سوال ہوا کہ حلال ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے کیلے اور پنجے والی حدیث میں مذکور علت کو بنیاد بناتے ہوئے اس کے حلال

1...فتاویٰ رضویہ، ج24، ص543، 542، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور

ہونے کا حکم اخذ فرمایا۔

چنانچہ فتاویٰ نوریہ میں ہے:"قواعد وضوابط شریعت غراء کی رو سے طوطا حلال ہے کہ ایسا پرندہ جس میں بہنے والا خون ہو اس کی حرمت ان دو چیزوں سے ثابت ہوتی ہے چنگل سے شکار کرنا یا مردار خور ہونا اور طوطا نہ چنگل سے شکار کرتا ہے اور نہ مردار خور ہے، لہذا حلال ہے۔ ملخصا"[1]

2 دلالۃ النص سے استدلال کرنا

دلالۃ النص سے مراد ایسا معنی ہے جو لغوی طور پر حکمِ منصوص علیہ کی علت سمجھا جائے یعنی لغت جاننے والا جب نص میں بیان کردہ حکم کو دیکھے تو اس کے پس منظر میں جو علت و سبب اس حکم کا باعث ہو، اس کو سمجھ لے، اسے دلالۃ النص کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا﴿ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ ترجمہ کنزالایمان:"تو ان سے ہوں (اف تک) نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا۔"[2]

لغت کا جاننے والا اس آیت کو سنتے ہی یہ بات جان لے گا کہ ماں اور باپ کو اُف کہنا اس لیے حرام ہے کہ اس میں ان کو اذیت ہوتی ہے، اس سے دلالۃً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انہیں مارنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ بھی اذیت کا سبب ہے۔

دلالۃ النص سے استدلال کرنا خاصہ مجتہد نہیں، بلکہ مقلدین فقہاء بھی اس طریقہ سے استدلال کرتے ہوئے کثیر احکام کا استخراج کرتے ہیں۔

1... فتاویٰ نوریہ، ج3، ص412، 411، مطبوعہ: دار العلوم حنفیہ، فریدیہ، بصیر پُور، اوکاڑہ

2... القرآن، پ15، الاسراء، آیت 23۔

ذیل میں اس طریقہ سے اخذ احکام کی کچھ امثلہ بیان کی جاتی ہیں۔

(1)...پانی سے عجز کی صورت میں تیمم کی صورتوں کا استخراج:

تیمم کے لیے پانی سے عجز ضروری ہے۔ پانی سے عجز کی ائمہ سے منقول ایک صورت یہ بیان ہوئی کہ پانی باہر موجود ہے، مگر باہر قرض خواہ بھی ہے اور یہ مفلس ہے، وہ مطالبہ میں حبس کرلے گا، اس خوف کی وجہ سے تیمم کر سکتا ہے۔ دلالۃ النص کے ذریعے سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دو مزید صورتوں کا حکم اخذ فرمایا۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"(12) قرض خواہ ہے اور یہ مفلس وہ مطالبہ میں حبس کر لے گا۔ اقول: یہ ایک شرعی مسئلہ ہے کہ ان بلاد میں جاری نہیں یہاں قرض خواہ نالش کے سوا خود حبس کا اختیار نہیں رکھتا تو یہ یہاں یوں عذر نہیں بلکہ اس طرح کہ اس نے گرفتاری جاری کرائی ہے، اگر وہاں جاتا یا باہر نکلتا ہے گرفتار ہو جائے گا۔ (13) جو وارنٹ کے سبب پانی کے پاس نہیں جا سکتا۔ (14) جو پولیس سے روپوش ہے وقد ذکروا فی الجمعۃ ان الاختفاء من السلطان الظالم مسقط فتح وھندیۃ (علماء نے جمعہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ظالم بادشاہ کے خوف سے روپوشی کے سبب جمعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ فتح، ہندیہ)۔ **اقول یہ دونوں صورتیں (یعنی 13 اور 14 نمبر) کہ فقیر نے زائد کیں ظاہر ہیں، اور مسئلہ مدیون (صورت نمبر 12) سے بدلالۃ النص ثابت۔**"[1]

(2)...پانی کی اجرت مثل سے متعلق مسئلہ میں تیمم کی مزید صورتوں کا استخراج:

ائمہ کی طرف سے منقول پانی سے عجز کی ایک صورت یہ بیان ہوئی کہ پانی والا اجرت

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج3، ص413، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

مثل سے زائد مانگتا ہے، چاہے پیسے موجود ہوں، تب بھی اسے تیمم کی اجازت ہے۔ سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق دلالۃ النص اس سے مزید دو صورتوں کا حکم اخذ فرمایا کہ پیسے موجود ہونے کے باوجود جب صرف اجرت مثل سے زائد مطالبہ کی وجہ سے تیمم کی اجازت دی ہے تو جس کے پاس سرے سے پیسے ہی نہ ہوں یا پیسے تو ہوں مگر پاس نہ ہوں اور یہ سفر وغیرہ میں ہے تو بدرجہ اولیٰ اجازت ہو گی۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "(3) پانی لانے والا اجرت مثل سے زائد مانگتا ہے کمافی البحر عن التوشیح (جیسا کہ بحر میں توشیح سے ہے)۔ (4) اقول: یا یہ مفلس ہے کہ اجرت دے ہی نہیں سکتا۔ (5) یا یہاں دینے کو نہیں اس کا مال دوسری جگہ ہے اور اجیر ادھار پر راضی نہیں اور اگر راضی ہو جائے تو تیمم جائز نہ ہو گا زدتھما اخذا مما یاتی فی ثمن الماء (پانی کے دام سے متعلق جو مسئلہ آرہا ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے میں نے ان دو صورتوں کا اضافہ کیا)۔"[1]

(3)... نمازی کے سامنے جوتا ہونے کا مسئلہ:

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ نماز، نمازی کے سامنے جوتا ہونے کو خلافِ ادب قرار دیا اور اس حکم کا استخراج ایک حدیث پاک سے دلالۃ النص سے استدلال کے طور پر فرمایا۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "اعلیٰ درجہ کی حدیث صحیح ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا کان احدکم یصلی فلایبصق قبل وجھہ فان اللہ تعالی قبل وجھہ اذا صلی جب تم میں کوئی نماز میں ہو تو سامنے کو نہ تھوکے کہ نمازی کے سامنے

1... فتاویٰ رضویہ، ج3، ص411، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

اللہ عزوجل کا فضل وجلال ورحمت ہوتے ہیں۔

ائمہ دین اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں: یجب علی المصلی اکرام قبلته بما یکرم به من یناجیه من المخلوقین عند استقبالهم بوجهه۔ ذکره ابن بطال ونقله فی ارشاد الساری یعنی نمازی پر واجب ہے کہ معظمین کے سامنے کھڑے ہونے میں جس بات میں ان کی تعظیم جانتا ہے، وہی ادب اپنی جانب قبلہ میں ملحوظ رکھے کہ اللہ عزوجل سب سے زیادہ احق بالتعظیم ہے۔ اسے شیخ ابن بطال نے ذکر کیا اور ارشاد الساری میں مذکور ہے۔

ان احادیث میں دہنے بائیں کا حکم صاف مصرح ہے اور **سامنے کا حکم اس حدیث صحیح کہ دلالۃ النص** اور اسی ارشاد علما کے عموم اور نیز اس قاعدہ مسلمہ مرعیہ عقلیہ شرعیہ سے معلوم کہ توہین وتعظیم کا مدار عرف و عادت ناس و بلاد پر ہے۔ وقد حققه المولی العلامة خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سره الماجد فی اصول الرشاد۔ اس کی تحقیق علامہ خاتمۃ المحققین سیدنا والد گرامی قدس سرہ الماجد نے اصول الرشاد میں فرمائی ہے **اور شک نہیں کہ اب عرف عام تمام بلاد یہی ہے کہ دربار شاہی میں بحضور سلطانی باتیں کرنے کھڑا ہو اور جوتا سامنے رکھے بے ادب گنا جائے گا۔**"[1]

(4)... جسم پر کوئی ایسی چیز لگی ہو جو جلد تک پانی پہنچنے سے مانع ہو، تو وضو و غسل کا حکم:

اگر جسم پر کوئی ایسی چیز لگی ہو کہ جس کی آدمی کو عموماً یا خصوصاً ضرورت پڑتی ہو اور اسے تکلیف اور ضرر کے بغیر اتارنا ممکن ہو، لیکن اس کی دیکھ بھال کرنے، اس کے لگے ہونے یا نہ لگے ہونے پر مسلسل توجہ رکھنے، اس سے بچنے اور احتیاط کرنے میں حرج واقع ہوتا ہو جیسے پکانے و

1... فتاویٰ رضویہ، ج7، ص315، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

گوندھنے والوں کے لیے آٹا، کاتب یعنی لکھنے والے کے لیے سیاہی کا جرم اور عورتوں کے لیے مہندی کا جرم وغیرہ (چونکہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ عموماً یا خصوصاً ان چیزوں سے واسطہ رہتا ہے اور ان سے بچنے یا مکمل طور پر ان کی نگہداشت رکھنے میں حرج ہے) تو حکم یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی چیز جسم پر لگی رہ گئی اور آدمی کو پتا نہ چلا، تو اس کا وضو و غسل ہو جائے گا اور نماز پڑھ لی، تو وہ بھی ہوگئی۔ پھر ایسی چیزوں کے جسم پر لگے رہنے کے باوجود وضو و غسل ہوجانے کی اصل علت حرج ہے، جہاں بھی حرج پایا جائے گا، وہاں رخصت والا معاملہ ہوگا، یہاں یہ ضروری نہیں کہ اس چیز سے ہر روز واسطہ پڑتا ہو، بلکہ اگر وقفے وقفے سے اس سے واسطہ پڑتا ہو، لیکن اس کی نگہداشت اور دیکھ بھال میں حرج ہے، تو اس کے بھی جسم پر لگے ہونے کے باوجود وضو و غسل ہو جائے گا جیسے عورتوں کے حق میں مہندی اور عام لوگوں کے لیے سُرمے کے جِرم کا معاملہ ہے کہ عورتیں ہر روز مہندی استعمال نہیں کرتی، بلکہ وقفے وقفے سے کرتی ہیں، یونہی عام لوگ ہر روز سرمہ استعمال نہیں کرتے، لیکن اس کے باوجود شریعت نے انہیں ان چیزوں کے جِرم کے معاملے میں رخصت دی ہے۔

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے دلالۃ النص کے ذریعے آنکھوں کے کوؤں یا پلکوں کے کسی حصے میں لگے ہوئے سرمے کے جرم کا مانع طہارت نہ ہونا ثابت فرمایا کہ جب مہندی کا کہیں لگا رہ جانا مانعِ طہارت نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نگہداشت رکھنے میں حرج ہے تو سُرمے کا آنکھوں کے کوؤں یا پلکوں کے کسی حصے میں لگا رہ جانا بدرجہ اولیٰ مانع طہارت نہیں بنے گا کہ اس کی نگہداشت میں بھی حرج ہے اور مزید یہ بات بھی ہے کہ سرمے کی حاجت مہندی کے مقابلے میں

زیادہ پڑتی ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:" جس چیز کی آدمی کو عموماً یا خصوصاً ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اس کے ملاحظہ واحتیاط میں حرج ہے اس کا ناخنوں کے اندر یا اوپر یا اور کہیں لگا رہ جانا، اگر چہ جرم دار ہو، اگر چہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے، جیسے پکانے، گوندھنے والوں کے لیے آٹا، رنگریز کے لیے رنگ کا جرم، عورات کے لیے مہندی کا جرم، کاتب کے لیے روشنائی، مزدور کے لیے گارا مٹی، عام لوگوں کے لیے کوئے یا پلک میں سرمہ کا جرم، بدن کا میل مٹی غبار، مکھی مچھر کی بیٹ وغیرہا کہ ان کا رہ جانا فرض اعتقادی کی ادا کو مانع نہیں۔ درمختار میں ہے: لا یمنع الطھارۃ خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ وحناء ولو جرمہ بہ یفتی۔ طہارت سے مانع نہیں مکھی اور پسو کی بیٹ جس کے نیچے پانی نہ پہنچا، اور مہندی اگر چہ جرم دار ہو، اسی پر فتوی ہے۔

(درمختار کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ورأیتنی کتبت فیما علقت علی ردالمحتار علی قولہ وحناء ولو جرمہ بہ یفتی اقول وبہ یظھر بحکم بعض اجزاء کحل تخرج فی النوم وتلتصق ببعض الجفون اوتستقر فی بعض المأقی وربما تمر الید علیھما فی الوضوء والغسل ولا یعلم بھا اصلا فلا یکفی فیہ التعاھد المعتاد ایضا الا بتیقظ خاص وتفحص مخصوص **فذلک کجرم الحناء لا بالقیاس بل بدلالۃ النص** فان الحاجۃ الی الکحل اشد واکثر۔ میں نے دیکھا کہ رد المحتار پر جو حواشی میں نے لکھے ہیں ان میں درمختار کی عبارت "اور مہندی اگر چہ جرم دار ہو، اسی پر فتویٰ ہے" پر میں نے یہ لکھا ہے، اقول: اس سے سرمہ کے ان ریزوں کا حکم ظاہر ہو جاتا ہے جو سوتے وقت نکل کر پلک میں چپک جاتے ہیں یا آنکھ کے کوئے میں بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی وضو و غسل میں ان پر ہاتھ بھی گزرتا ہے اور ان کا پتہ نہیں چلتا، کیونکہ اس کے لیے الگ سے خاص دھیان دیئے اور مخصوص جستجو کئے بغیر معمولی توجہ سے

کام نہیں بن سکتا۔ تو وہ مہندی کے جرم کا حکم رکھتے ہیں، **قیاس سے نہیں بلکہ دلالۃ النص سے** اس لیے کہ سرمہ کی حاجت زیادہ شدت و کثرت سے ہوتی ہے۔ ملخصاً"[1]

(5)...عورتوں کا ناک چھدوانا:

دینِ اسلام میں خواتین کے لیے زیب و زینت اور آرائش و زیبائش مطلقاً منع نہیں، بلکہ شریعت کی حدود کی رعایت کے ساتھ جائز و مشروع ہے، جس کا ایک طریقہ عورتوں کا کان میں سوراخ کر کے زیور لٹکانا ہے اور اس سے مقصود زینت کا حصول ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے میں عورتیں کان چھدواتی (یعنی سوراخ نکلواتی) تھیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کبھی منع نہ فرمایا اور فقہائے اسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع نہ فرمانے سے استدلال کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا۔

اور زمانہ نبوی میں عورتیں ناک نہیں چھدواتی تھیں، لیکن جب فقہائے اسلام نے دیکھا کہ بعض علاقوں میں عورتیں ناک میں بھی سوراخ نکلواتی اور اس میں بطورِ زینت زیور لٹکاتی ہیں، تو انہوں نے اس کے بھی جواز کا فتوی دیا، کیونکہ کان میں سوراخ کرنا اور زیور پہننا عورتوں کی زینت کے طور پر ہے اور ناک میں سوراخ کرنے سے بھی یہی مقصود ہے، اس لیے اسے صرف کان کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا، بلکہ زینت مقصود ہونے کی وجہ سے ناک میں سوراخ کو بھی جائز قرار دیا گیا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس استدلال کو دلالۃ النص سے استدلال کرنا شمار فرمایا۔

چنانچہ در مختار میں ہے: " ولا بأس بثقب أذن البنت والطفل استحسانا ملتقط. قلت: وهل يجوز الخزام في الأنف، لم أره "بچی کے کان چھیدنے میں استحساناً کوئی حرج نہیں۔ میں کہتا

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج1 (الف)، ص269 تا 271، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ہوں کہ کیا ناک میں سوراخ کرنا، جائز ہے؟ میں نے اس بارے میں کوئی صراحت نہیں دیکھی۔[1]

اس عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:"لا بأس بثقب أذن الطفل من البنات وزاد في الحاوي القدسي: ولا يجوز ثقب آذان البنين قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط وقد نص الشافعية على جوازه"یعنی چھوٹی بچیوں کے کان میں سوراخ کرنے میں حرج نہیں اور حاوی قدسی میں یہ زیادہ کیا کہ لڑکوں کے کانوں میں سوراخ نکالنا جائز نہیں۔ میں (علامہ شامی علیہ الرحمۃ) کہتا ہوں: اگر ناک میں سوراخ نکالنا عورتیں بطورِ زینت کرتی ہیں، جیسا کہ بعض شہروں میں رائج ہے، تو وہ کان میں سوراخ نکالنے کی طرح جائز ہے اور اس کے جائز ہونے پر شوافع نے صراحت بیان فرمائی ہے۔[2]

علامہ شامی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں:"اقول: ولا شک ان ثقب الاذن کان شائعا فی زمن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وقد اطلع صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ولم ینکرہ ثم لم یکن الا ایلاما للزینۃ فکذا ھذا بحکم المساواۃ **فثبت جوازہ بدلالۃ النص المشترک فی العلم بھا المجتھدون وغیرھم** کما تقرر فی مقررہ" ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ کان چھیدنا، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعارف اور مشہور تھا اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر اطلاع پائی، مگر ممانعت نہیں فرمائی، پھر یہ (کان چھیدنے کی) تکلیف پہنچانا، صرف زیب وزینت کے لیے ہو گا اور اسی طرح یہ (ناک چھیدنا) بھی ہے کہ

1...۔ تنویر الابصار ودر مختار، ج09، ص693، مطبوعہ کوئٹہ۔

2...۔ رد المحتار، ج09، ص693، مطبوعہ کوئٹہ۔

دونوں کا حکم مساوی ہو گا۔ پس اس کا جائز ہونا، دلالتِ نص کی بنیاد پر ثابت ہو گیا، جس کے علم میں مجتہد وغیر مجتہد مشترک ہیں، جیسا کہ یہ بات اپنے محل میں ثابت ہو چکی ہے۔"[1]

(6)...29 شوال کو ہلالِ ذیقعدہ اور 29 ذیقعدہ کو ہلالِ ذی الحجہ تلاش کرنے کے حکم کا استخراج:

مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے 29 شعبان کو اگر رمضان المبارک کا چاند نظر نہ آئے، تو حدیث پاک میں حکم ہے کہ شعبان کے تیس دن پورے کر لیے جائیں، سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک سے 29 شوال کو ہلالِ ذیقعدہ اور 29 ذیقعدہ کو ہلالِ ذی الحجہ تلاش کرنے کا حکم دلالۃ النص سے استدلال کے طور پر مستنبط فرمایا۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"(م) نمبر ۳: ۲۹ ذیقعدہ کو ہلال ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔ (ش) نمبر ۳: اقول یہ یوں ضروری ہوا کہ حج و نماز عید و قربانی و تکبیراتِ تشریق کے اوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو اس کی تلاش عام لوگوں پر واجب کفایہ ہونی چاہیئے اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ۔ (م) نمبر ۴ : ۲۹ رجب کو ہلالِ شعبان، ۲۹ شوال کو ہلالِ ذیقعدہ کی بھی تلاش کریں۔ (ش) نمبر ۴: ہلالِ شعبان کی تلاش کا حکم خود حدیث میں ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ جب رمضان کا چاند بوجہ ابر نظر نہیں آتا تو حکم ہے کہ شعبان کی گنتی تیس پُوری کر لیں۔ جب شعبان کا چاند بہ تحقیق نہ معلوم ہو گا تو اس کی گنتی پر کیا یقین ہو سکے گا۔

قلت: خود حدیث میں ہے: اخرج الترمذی فی الجامع والحاکم فی المستدرک عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احصو اھلال شعبان لرمضان۔ (م)۔ ترمذی نے جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج23، ص482، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے لیے شعبان کے چاند کو شمار کرو۔(م)

یُوں ہی اگر ذی الحجہ کا چاند نظر نہ آئے تو ذیقعدہ کی گنتی تیس رکھیں گے، اور وہی بات یہاں پیش آئے گی، کذا ینبغی ان یلتمسوا ھلال شعبان ایضافی حق اتمام العدد (ع)(فتاوٰی عالمگیریۃ) عن السراج الوھاج، یُوں ہی اتمامِ تعداد کے لیے شعبان کے چاند کا تلاش کرنا بھی ضروری ہے(ع) یہ فتاوٰی عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے۔قلت وزدت علیہ ھلال ذی القعدۃ تفقّھا۔ **بندہ اس پر بطور استخراج اضافہ کرتا ہے کہ ذی القعدہ کے چاند کا بھی تلاش کرنا ضروری ہے۔(ت)**

قلت، وزدت علیہ ھلال ذی القعدہ تفقھا ھذا والذی قبلہ فی ھلال ذی الحجۃ لیس مایتفکر فان امثال ذلک تلتحق علی وجہ دلالۃ النص وھو مما یشترک فیہ الفقہاء والعوام کما نص علیہ العلامۃ ط وغیرہ ۱۲ (م) میں کہتا ہوں اور اس پر میں نے بطور استنباط ذوالقعدہ کے چاند کا اضافہ کیا ہے یہ اور اس سے پہلے ذوالحج کے چاند میں تفکر کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح کے معاملات بطور دلالۃ النص ملحق ہو جاتے ہیں اور اس میں فقہاء اور عوام دونوں مشترک ہیں جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی وغیرہ نے تصریح کی ہے ۱۴(ت)۔"[1]

(7)...کیا اولیائے کرام بعدِ وصال زندہ رہتے ہیں؟

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ حضرات اولیاء اللہ بعدِ وصال زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ اگر زندہ رہتے ہیں تو کوئی دلیلِ قطعی ان کی حیاتِ ابدی پر ہے یا نہیں؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بطریقِ دلالۃ النص اس مسئلہ کا جواب ارشاد فرمایا کہ حیاتِ شہداء

1... فتاوٰی رضویہ، ج10، ص450تا452، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن لاہور۔

قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہداء سے علماء افضل ہیں اور علماء سے اولیائے کرام افضل ہیں، تو جب شہداء زندہ ہیں تو اولیاء کرام جو شہداء سے کئی درجے افضل ہیں، ضرور زندہ ہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:"حیاتِ شہداء قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہداء سے علماء افضل، حدیث میں ہے۔ روزِ قیامت شہداء کا خون اور علماء کی دوات کی سیاہی تولے جائیں گے علماء کی دوات کی سیاہی شہداء کے خون پر غالب آئے گی۔ اور علماء سے اولیاء افضل ہیں، **تو جب شہداء زندہ ہیں اور فرمایا کہ انہیں مردہ نہ کہو، تو اولیاء کہ بدرجہا ان سے افضل ہیں ضرور ان سے بہتر حی ابدی (ہمیشہ زندہ) ہیں**، قرآن کریم کے ایجازات میں یہ بھی ہے کہ امر ارشاد فرماتے ہیں اور اس سے اس کے امثال اور اس سے امثل پر دلالت فرمادیتے ہیں۔ جیسے:﴿ لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا﴾ ان سے ہُوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا (ت)۔ماں باپ کو ہُوں کہنے سے ممانعت فرمائی جو کچھ اسے زیادہ ہو وہ خود ہی منع ہو گیا، اور یہی **دیکھئے حیاتِ شہداء کی تصریح فرمائی اور حیاتِ انبیاء کا ذکر نہیں کہ اعلی خود ہی مفہوم ہو جائے گا اس دلالۃ النص میں اولیاء بلاشبہہ داخل۔**[1]"

(8)...بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے، شوہر کا بیوی کی خالہ یا اس کی پھوپھی سے نکاح کرنے کا حکم:

بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے، شوہر بیوی کی خالہ یا اس کی پھوپھی سے نکاح نہیں کر سکتا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صراحت کے علاوہ، قرآن پاک کی نص کی دلالت سے بھی ان کے جمع کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے

1...فتاویٰ رضویہ، ج29، ص105، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

وہ اس لیے کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی علت، قطع رحم ہے اور بیوی کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کو نکاح میں جمع کرنے کی صورت میں بھی قطع رحم ہو گا، لہذا دلالۃ النص سے بھی اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے: "والجمع بين المرأة وعمتها وبنتها وبين خالتها مما قد حرمه الله تعالى على لسان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - الذي هو وحي غير متلو على أن حرمة الجمع بين الأختين معلولة بقطع الرحم، والجمع ههنا يفضي إلى قطع الرحم، **فكانت حرمة ثابتة بدلالة النص** "ترجمہ: عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ اور عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع کرنا ان میں سے ہے کہ جس کو اللہ تعالی نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے زبان اقدس کے ذریعے حرام فرمایا جو ایسی وحی ہے جس کی (قرآن کی طرح) تلاوت نہیں کی جاتی (حرام اس وجہ سے ہے کہ) دو بہنوں کو جمع کرنے کے حرام ہونے کی علت صلہ رحمی کا نہ ہونا ہے اور یہاں (یعنی پھوپی و بھتیجی اور خالہ و بھانجی کو) ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا بھی قطع رحم کی طرف لے جاتا ہے، لہذا ان کا نکاح دلالت النص کی وجہ سے حرام ہے۔[1]

(9)...طاعون کے وقت قنوتِ نازلہ پڑھنے کا حکم:

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ایک بد مذہب نے طاعون کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کو بے اصل اور علمائے اہلسنت کا اپنا قیاس قرار دیا اور اس کے متعلق ایک رسالہ لکھا۔ جب امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق سوال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مفصل رد تحریر فرمایا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بطریقِ دلالۃ النص استدلال کرتے ہوئے اس مسئلہ کا جواب

1... بدائع الصنائع، ج 03، ص437، مطبوعہ کوئٹہ۔

ارشاد فرمایا کہ احادیث میں بلا اور مصیبت نازل ہونے کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کی اجازت ہے ،تو طاعون جو کہ سخت تر بلا ہے، اس پر بھی قنوت نازلہ جائز ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"خود ہی سوال میں لکھا"جب قنوت عند النازلہ جائز ہوئی تو ہر مصیبت پر جائز ہونی چاہیئے جس طرح قلت باراں وسیلاب، نازلہ، آندھی، امراض مختلفہ خاص کر وبا اور طاعون کہ وہ اشد النازلہ ہے"اور جواب دیا"ہمارا تمہارا قیاس بیکار ہے ان مصیبتوں کے لیے شارع علیہ السلام نے جدا جدا طریقہ بتادیا اور اُن کا حکم بھی سنادیا چنانچہ کتب فقہ ان سے مملو ہیں الخ"اس کو قیاس بتانے کی جہالت اوپر مذکور ہو چکی مگر طاعون کو خود "اشد النازلہ"لکھنے سے رہا سہا اور بھی جہل کا پردہ کھول دیا، جب قنوت نازلہ ثابت اور طاعون سب سے سخت تر نازلہ ہے تو اس کے لیے بدلالۃ النص قنوت ثابت اور دلالۃ النص سے اثبات کو قیاس بتانا سخت جہالت، اب مصنف " ضروری سوال" کی مثال اس ذی ہوش کی طرح ہے جس سے کہا جائے والدین کو مارنا حرام ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:﴿ لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ماں باپ سے "ہوں" نہ کہہ۔جب ہوں کہنے سے ممانعت ہے تو مارنا اس سے سخت تر ہے بدرجہ اولیٰ منع ہے وہ کہے "ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بیکار ہے" قرآن مجید میں تو کہیں والدین کو مارنے کی ممانعت نہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"[1]

(10)...کیا وضو کی طرح غسل کا پانی بھی نیکیوں کے پلے میں رکھا جائے گا؟

وضو کا پانی روزِ قیامت نیکیوں کے پلے میں رکھا جائے گا۔امامِ اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے بطریقِ دلالۃ النص استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ غسل کا پانی بھی نیکیوں کے پلے میں رکھا جائے گا

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج07، ص508، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

کہ وضو کی طرح غسل بھی ایک نیکی ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:" اقول: تقاعد کونہ یوزن ایراث کراھۃ المسح قدقدمناہ وان سلم فالنقل فی الوضوء نقل فی الغسل بالقیاس الجلی ، بل بدلالۃ النص، فان الغسل حسنۃ کالوضوء فان کان یوزن ماء الوضوء فکذا ماؤہ بل ھو اولی لانھا طھارۃ کبری وماؤہ اکثر واوفی۔ اقول: ہم بتا چکے کہ اس پانی کے وزن کیے جانے کی فضیلت اسے پونچھنے میں کراہت لانے سے قاصر ہے۔۔۔۔ اور اگر اسے مان ہی لیں تو (وہی حکم غسل میں بھی ہونا چاہیئے اگرچہ خاص لفظ غسل کے ساتھ حدیث وارد نہیں ہے کیونکہ)وضو میں منقول ہونا قیاس جلی، **بلکہ دلالۃ النص کی رُو سے غسل میں بھی منقول ہونا ہے اس لیے کہ وضو کی طرح غسل بھی ایک نیکی ہے، تو اگر وضو کا پانی تولا جائے گا تو غسل کا پانی بھی ایسا ہی ہو گا بلکہ وہ بدرجہ اولیٰ ہو گا، اس لیے کہ وہ طہارتِ کبریٰ ہے اور اس کا پانی زیادہ وافر بھی ہوتا ہے۔**"[1]

3 کلی کا حکم جزئیات میں جاری کرنا

کلی سے مراد وہ اصول اور ضابطہ ہے، جو ایک وسیع اور عام مفہوم رکھتا ہو اور بہت ساری صورتوں اور جزئیات کو اپنے حکم میں شامل کرتا ہو۔ جیسے ایک مشہور ضابطہ ہے "الیقین لایزول بالشک "اس کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ فقہائے کرام سینکڑوں مسائل میں اس اصول کا اجراء کرتے ہیں۔

کثیر ایسے مسائل ہیں کہ جن کے متعلق ایک اصل کلی مجتہد سے منقول ہے یا اصل کلی کے ساتھ ساتھ بعض جزئیات بھی مذکور ہیں۔ فقہائے کرام نے اس اصل کلی سے کثیر ایسے احکام

---

1 ۔۔۔ فتاویٰ رضویہ، ج1 (الف)، ص327، 328، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

کا استخراج کیا ہے، جو صراحتاً مجتہد سے منقول نہیں۔

کتبِ فقہ، بالخصوص فتاویٰ رضویہ میں اس کی کثیر نظائر موجود ہیں، فتاویٰ رضویہ کی پہلی چار جلدوں کے اکثر رسائل کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو کئی مقامات پر کلی کا حکم جزئیات میں منطبق کرتے ہوئے مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، بلکہ بعض جگہ پورا رسالہ ہی تحریر کر دیا ہے۔

ہم نیچے اس کی کچھ امثلہ بیان کرتے ہیں۔

(1)...مائے مطلق کی جامع تعریف اور اس کی 38 نئی صورتوں کا استنباط:

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن سے سوال ہوا کہ آب مطلق کہ وضو و غسل کے لیے درکار ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ تو آپ نے اس کے جواب میں 415 صفحات پر مشتمل رسالہ تحریر فرمایا، جس کے شروع میں فرماتے ہیں: "یہ سوال بظاہر چھوٹا اور اس کا جواب بہت طول چاہتا ہے یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآراء ہے۔ فقیر بتوفیق القدیر اول جزئیات منصوصہ ذکر کرے پھر تعریف مطلق و مقید کہ اصالۃً ضابطہ جامعہ کلیہ اور دیگر ضوابط کے لیے معیار پھر ضوابط جزئیہ متون پھر ضوابط کلیہ متاخرین **پھر جزئیات جدیدہ کے احکام۔**"[1]

چار سو پندرہ صفحات پر مشتمل اس رسالہ میں سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً پانی کی 305 صورتوں کا حکم جزئیات منصوصہ سے پیش کیا اور ان میں بھی اکثر وہ ہیں، جو فقہاء متاخرین نے ائمہ مذہب کے ضوابط کلیہ سے اخذ کیا ہے، پھر ایک مستقل علیحدہ فصل میں پانی کی 38 نئی صورتوں کا حکم ائمہ کی طرف سے بیان کردہ ضوابط کلیہ کی روشنی میں خود اخذ فرمایا۔ یہ پورا رسالہ کلی کا حکم جزئیات میں منطبق کرنے کی بہترین مثال ہے۔ میرے خیال میں اگر صرف اسی

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج2، ص451، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

رسالہ کو پڑھ لیا جائے تو کلی کا حکم جزئیات میں کیسے منطبق کیا جاتا ہے؟ کن کن چیزوں کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، یہ سب کچھ اس کا مطالعہ کرنے سے واضح ہو جائے گا۔

(2)... جن چیزوں سے تیمم جائز ہے اور جن چیزوں سے تیمم جائز نہیں، ان میں اضافہ:

کلی کا حکم جزئیات پر منطبق کرتے ہوئے استخراج احکام کی دوسری مثال تیمم کا مسئلہ ہے کہ کن کن چیزوں سے تیمم ہو سکتا ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ایک ضابطہ ارشاد فرمایا ہے۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”سیدنا امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہر اس چیز سے کہ جنس ارض سے ہو، تیمم روا ہے جبکہ غیر جنس سے مغلوب نہ ہو اور اس کے غیر سے ہمارے جمیع ائمہ رضی اللہ تعالی عنہم کے نزدیک روا نہیں۔“[1]

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے بیان کردہ اس ضابطہ کی روشنی میں سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پورا رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں 181 ایسی چیزوں کے نام گنوائے ہیں، جن سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے 74 منصوصات ہیں (یعنی وہ مسائل و احکام ہیں، جنہیں فقہاء متقدمین نے بیان فرما دیا) اور 107 مزیدات (یعنی وہ مسائل و احکام جنہیں آپ نے اپنے اجتہاد و استنباط سے بیان فرمایا) ہیں۔ پھر 130 ایسی اشیاء کے نام تحریر کیے جن سے تیمم کرنا جائز نہیں۔ ان میں 58 منصوصات اور 72 زیادات ہیں۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”یہ تین

1... فتاویٰ رضویہ، ج3، ص579، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

سو گیارہ چیزوں کا بیان ہے۔ 181 سے تیمم جائز جن میں 74 منصوص اور 107 زیادات فقیر اور 130 سے ناجائز جن میں 58 منصوص اور 72 زیادات فقیر ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا بلکہ زیادات در کنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔"[1]

(3)... غیر مستعمل پانی کی صورتوں کا استخراج:

کلی کا حکم جزئیات میں منطبق کرتے ہوئے استخراج احکام کی تیسری مثال مستعمل پانی کا مسئلہ ہے کہ ائمہ کی طرف سے پانی مستعمل ہونے کا جو ضابطہ بیان کیا گیا، اس میں حدث یا قربت میں استعمال کے ساتھ ساتھ "بدن انسانی" میں استعمال کی شرط بھی موجود ہے۔

چنانچہ منیہ میں ہے: "ماء ازیل به حدث او استعمل فی البدن علی وجه القربة "یعنی ایسا پانی جس سے حدث دور کیا گیا ہو، یا بدن میں قربت کے طور پر استعمال ہوا ہو۔"[2]

مستعمل پانی کے مذکورہ بالا ضابطہ میں "بدن انسانی میں استعمال کی شرط" سے فقہاء کرام نے کئی ایسی صورتوں کا حکم اخذ کیا، جن میں اگرچہ نیت قربت پائی جا رہی ہے، لیکن پانی کے بدن انسانی میں استعمال نہ ہونے کی وجہ سے، اسے غیر مستعمل قرار دیا، یہ کلی سے جزئیات کا حکم اخذ کرنے کی ہی صورت ہے، اس کی کچھ صورتیں فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے نیچے مذکور ہیں۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن غیر مستعمل پانی، جن سے وضو و غسل ہو سکتا ہے ان کو شمار کراتے ہوئے فرماتے ہیں: "(142) مسواک کرنے کے بعد اسے دھو کر رکھنا سنت ہے کما بینا فی بارق النور (جیسا کہ بارق النور میں ہم بیان کر چکے) **یہ پانی اگرچہ اس سے ادائے سنت ہو گا قابل وضو رہے گا** کما حققنا فی الطرس المعدل ان الشرط

1... فتاویٰ رضویہ، ج3، ص658، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

2... منیۃ المصلی، ص108، مطبوعہ: مکتبہ قادریہ، لاہور۔

استعماله فی بدن الانسان **(جیسا کہ ہم نے الطرس المعدل میں ثابت کیا ہے کہ پانی کے مستعمل ہونے کے لیے پانی کا بدن انسان پر استعمال ہونا شرط ہے۔)**۔(143)مسواک کرنے سے پہلے بھی اسے دھونا سنت ہے یہ پانی مکروہ بھی نہ ہوگا اگر مسواک نئی ہے یا پہلے دھل چکی ہے۔(145)کوئی پاک کپڑا دھویا اگرچہ ثواب کے لیے جیسے ماں، باپ کے میلے کپڑے۔(146) کھانے کے برتن جن میں کھانا پکایا یا اتارا تھا دھوئے، اگرچہ ان میں سالن وغیرہ کے لگاؤ سے پانی کے اوصاف بدل گئے جب تک رقت باقی رہے گی اگرچہ اس دھونے سے سنت تنظیف کی نیت ہو۔(151)پکا فرش گرد و غبار سے پاک کرنے کو دھویا اگرچہ مسجد کا بہ نیت قربت۔(154) گھوڑے وغیرہ کسی جانور کو نہلایا اگرچہ ان دونوں سے نیت ثواب کی ہو جبکہ بدن پر کوئی نجاست نہ ہو، یہ سب پانی قابل وضو ہیں۔ ملخصا"[1]

یہ چھ جزئیات (مسائل) ہیں، جن کا حکم ائمہ سے منقول نہیں ہے، مگر ائمہ کی جانب سے بیان کردہ ضابطہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقہاء متاخرین نے اخذ کیا ہے۔

(4)...نابالغ بچے نے کسی حوض یا کنویں سے پانی بھرا، پھر اس پانی کو حوض یا کنویں میں اُنڈیل دیا، تو کیا حکم؟

نابالغ بچے نے کسی حوض یا کنویں سے پانی بھرا، پھر اس پانی کو حوض یا کنویں میں اُنڈیل دیا، تو اب اس کا پانی دوسروں کے لیے حلال ہوگا یا نہیں؟ امامِ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اصلِ کلی سے اس حکم کا استخراج کرتے ہوئے مسئلہ کا حل ارشاد فرمایا کہ اس حوض میں سے اتنا پانی بھر کر، جتنا بچے نے اس میں ڈالا تھا، بچے کو نکال کر دے دیا جائے، تو اب حوض کے بقیہ پانی میں بچے کی ملک کا باقی رہنا مشکوک ہو جائے گا اور حوض کا اصل حکم عود کر آئے گا کہ اس کا پانی استعمال کرنا، جائز

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج2، ص595،594، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:"کتب کثیرہ معتمدہ میں تصریح ہے کہ اگر نابالغ نے حوض میں سے ایک کوزہ بھرا اور اس میں سے کچھ پانی پھر اس حوض میں ڈال دیا اب اُس کا استعمال کرنا کسی کو حلال نہ رہا۔۔۔ علامہ طحطاوی و علامہ شامی نے اسے نقل کر کے فرمایا اس حکم میں حرج عظیم ہے۔۔۔ غرض مسئلہ مشکل ہے اور اس میں ضرور حرج ہے اور حرج مدفوع بالنص ہے۔۔۔ وانا اقول وباللہ التوفیق۔۔۔ **بوجہ احتمال انتقال، اختلاط ملک صبی کا یقین کسی موضع معین میں نہیں بلکہ موضع مجہول و مبہم میں ہے اور ایسے یقین پر جب اُس شے کے بقاو زوال میں شک طاری ہو، یقین زائل اور حکم اصل حاصل ہوتا ہے**، جیسے دائین چلانے میں بیل ضرور پیشاب کرتے اور اناج کا ایک حصہ یقیناً ناپاک ہوتا ہے مگر متعین نہ رہا، تو بعد تقسیم یا اس سے کچھ ہبہ یا صدقہ کرنے سے سب پاک ہو جائے گا کہ ہر ایک کہے گا ممکن کہ ناپاک دانے دوسرے حصے میں رہے یا گئے ہوں، یوں ہی چادر پر ناپاکی کا یقین ہے اور جگہ معلوم نہیں یا یاد نہ رہی اور تحری کسی طرف نہیں پڑتی، کہیں سے پاک کر لی جائے، پاک ہو جائے گی کہ اب اس متیقن مبہم کی بقا میں شک ہو گیا اور سب سے زائد وہ مسئلہ ہے کہ محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک قلعہ فتح کیا۔ اتنا معلوم ہے کہ اس میں ایک ذمی ہے مگر اُسے پہچانتے نہیں اُن کفار کا قتل حرام ہے، ہاں اگر ان میں سے بعض نکل جائیں یا کسی کو قتل کر دیا جائے، تو اب باقیوں کا قتل جائز ہو گیا کہ وہ یقین مجہول اس شک سے زائل ہو گیا۔۔۔ **جب یہ قاعدہ نفیسہ معلوم ہو لیا یہاں بھی اس کا اجرا کریں جتنا پانی اس نابالغ نے ڈالا ہے، اسی قدر یا اس سے زائد اس حوض یا کنویں سے نکال کر اُس نابالغ کو دے دیں، یہ دینا یقیناً جائز ہو گا کہ اگر اس میں ملک صبی ہے، تو صبی ہی کے پاس**

جاتی ہے بخلاف بہادینے یاڈول کھینچ کر پھینک دینے کے کہ وہ ملک صبی کا ضائع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں، اب کہ اس قدر یا زائد پانی اس صبی کو پہنچ گیا اُس کے ڈالے ہوئے پانی کا باقی رہنا مشکوک ہو گیا تو وہ یقین کہ موضع مجہول کے لیے تھا زائل ہو گیا اور حوض وچاہ کا باقی پانی جائز الاستعمال ہو گیا۔ ملخصاً"[1]

(5)... نیند سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ:

کلی کا حکم جزئیات میں جاری کرنے کی ایک مثال نیند سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ ہے کہ جب امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق سوال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک اصول اور فقہائے کرام کا ایک قاعدہ بیان کرکے اس پر 20 مختلف جزئیات کا حکم بیان فرمایا۔ پہلے دس وہ صورتیں ذکر فرمائیں جن میں نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا، پھر دس صورتیں وہ بیان کیں جن میں نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ **اور جب اصل مناط بتا دیا گیا تو زیادہ تفصیل صور کی حاجت نہیں ان دونوں شرطوں کو غور کرلیں جہاں مجتمع ہیں وضو نہ رہے گا، ورنہ ہے۔**

چنانچہ امام اہلسنت، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "امام المدققین سیدی علاء الدین دمشقی حصکفی وعلامہ جلیل ابو الاخلاص حسن شرنبلالی و محقق بالغ النظر سیدی ابرہیم حلبی ودیگر اکابر اعلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے در مختار ونور الایضاح وغنیہ وصغیری وغیرہا میں بعد احاطہ اقوال جو اس باب میں قول منقح فہیم مستفید من القی السمع وھو شہید کے لیے افادہ فرمایا اس کا حاصل وعطر محاصل یہ ہے کہ نیند دو شرطوں سے ناقض وضو ہوتی ہے اول یہ کہ دونوں سرین اس

1... فتاویٰ رضویہ، ج02، ص529 تا539، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

وقت خوب جمے نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ ایسی ہیئت پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔ جب یہ دونوں شرطیں جمع ہوں گی تو سونے سے وضو جائیگا اور ایک بھی کم ہے تو نہیں۔۔۔۔۔ **اور جب اصل مناط بتادیا گیا تو زیادہ تفصیل صور کی حاجت نہیں ان دونوں شرطوں کو غور کرلیں جہاں مجتمع ہیں وضو نہ رہے گا، ورنہ ہے۔ ملخصاً**"[1]

(6)...کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنے کا مسئلہ:

کلی کا حکم جزئیات میں جاری کرنے کی ایک مثال کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنے کا مسئلہ ہے امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس کے متعلق سوال ہوا، تو اس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دو اصولوں سے اس جزئی پر استدلال فرمایا۔ ایک اصول یہ کہ " الیقین لا یزول بالشک "اور دوسرا اصول " خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانات "ہے۔ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے جو استدلال فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جانور جب تک زندہ ہوتا ہے اس کا گوشت کھانا حلال نہیں ہوتا، اس کی زندگی میں اس کے گوشت کی حرمت یقینی ہوتی ہے، اس کا گوشت حلال ہونے کے لیے اس جانور کا شرعی طریقہ کے مطابق ذبح ہونا ضروری ہوتا ہے اور کافر کے پاس جو گوشت ہے، اس کے متعلق کنفرم نہیں کہ یہ شرعی طریقہ کے مطابق ذبح ہوا یا نہیں، اس لیے گوشت کی جو حرمت یقینی تھی، اس کے زائل ہونے میں شک ہے، اور شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ اور اگر کافر کہے کہ اس جانور کو ذبح شرعی سے حلال کیا گیا ہے، تو اس کی بات معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ دیانات میں کافر کی خبر معتبر نہیں۔ تو آپ رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں دو اصول جاری فرمائے۔

---

1 ۔۔۔ فتاویٰ رضویہ، ج01(الف)، ص488تا490، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن، لاہور۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:"صورت مستفسرہ میں اس سے گوشت کا خریدنا، کھانا، کھلانا، ناجائز ہے، کہ حیوان جب تک زندہ تھا حرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہو گیا، اور اس کا حصول ثابت نہ ہوا، والیقین لایزول بالشک (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔) اور وہ کافر غیر کتابی اگر کہے بھی کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو یہ خبر خصوصا امر دیانت وحلت وحرمت میں ہیں۔ اور ان امور میں کافر کی خبر محض باطل ونامعتبر ہے، درمختار و ہدایہ و تبیین و ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے: خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات معاملات میں بالاجماع کافر کی خبر مقبول ہے، دیانات میں مقبول نہیں۔"[1]

(7)...بینک کی ملازمت کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام:

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ سے بینک کی ملازمت کی مختلف صورتوں کے متعلق سوال ہوا تو اس کے جواب میں امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اصل کلی کے ذریعے تمام صورتوں کا حکم بیان فرمایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ یہ ایسا اصول ہے کہ ان جیسے دس ہزار مسائل کو شامل ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"ملازمت کی صورتیں جو سائل نے لکھیں اس کا جواب کلی کہ انہیں اور ان جیسے دس ہزار کو شامل ہو، یہ ہے کہ ملازمت دو قسم ہے: ایک وہ جس میں خود ناجائز کام کرنا پڑے، جیسے یہ ملازمت جس میں سود کا لین دین، اس کا لکھنا پڑھنا، تقاضا کرنا اس کے ذمہ ہو، ایسی ملازمت خود حرام ہے، اگرچہ اس کی تنخواہ خالص مال حلال سے دی جائے، وہ مال حلال بھی اس کے لیے حرام ہے، اور مال حرام ہے، تو حرام در حرام۔ دوسرے یہ کہ وہ ملازمت فی نفسہ امر جائز کی ہو مگر تنخواہ دینے والا وہ جس کے پاس مال حرام آتا ہے، اس صورت کا حکم یہ

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج20، ص283، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ہے کہ اگر معلوم ہو کہ جو کچھ اسے تنخواہ میں دیا جارہا ہے، بعینہٖ مال حرام ہے۔ نہ بدلانہ مخلوط ہوا نہ مستہلک ہوا تو اس کا لینا حرام ورنہ جائز۔ قال محمد به ناخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه۔ ہندية عن الظهيرية۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم اسی کو اختیار کریں گے جب تک عین حرام چیز کا علم نہ ہو، ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے۔"[1]

(8)... کنووں میں دواڈال کر انہیں صاف کرنے کا مسئلہ:

کلی کا حکم جزئیات میں جاری کرنے کی ایک مثال کنووں میں دوا ڈال کر انہیں صاف کرنے کا مسئلہ ہے، امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس کے متعلق سوال ہوا، تو اس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دو اصولوں سے اس جزئی پر استدلال فرمایا۔ ایک اصول یہ کہ "الاصل فی الاشیاء الطهارة "اور دوسرا اصول" الاصل فی الاشیاء الاباحة" ہے۔ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے جو استدلال فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ سے جب سوال ہوا کہ گورنمنٹ کی طرف سے کنووں میں پانی کی اصلاح کے لیے دوائی ڈالی جاتی ہے جس سے پانی کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور ذائقہ بھی بدل جاتا ہے، تو اس حالت میں پانی طاہر و مطہر یعنی قابل وضو رہے گا اور اسی طرح پینے وغیرہ کے قابل رہے گا یا نہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: "جب تک نجاست کا علم نہیں، وہ پانی پاک اور قابل وضو رہے گا اور جب تک حرمت کا علم نہیں تو وہ حلال بھی رہے گا، لہذا پینے وغیرہ کے ذریعے استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔"

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "جب تک نجاست پر علم نہیں پانی طاہر مطہر ہے، نص علیه فی ردالمحتار وغیرها والاصل فی الاشیاء الطهارة (ردالمحتار وغیرہا میں اس کو صراحۃً ذکر

1... فتاویٰ رضویہ، ج19، ص515، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

کیا ہے اور اشیاء کا اصل حکم طہارت ہے۔ ت) یوں ہی جب تک حرمت پر علم نہیں پانی حلال ومشروب ہے، فان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ،واللہ سبحنہ وتعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔(پس بے شک اشیاء میں اصل، اباحت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔"[1]

(9)...حربی غیر مستامن کے مال کا مسئلہ:

کلیات سے جزئیات کا استخراج کرنے کی ایک مثال حربی غیر مستامن کے مال کا مسئلہ بھی ہے، کہ امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی اصول "لا ربا بین المسلم والحربی " سے اس مسئلہ کا استنباط فرمایا کہ دار الاسلام میں بھی حربی غیر مستامن کا مال مباح ہے، بغیر غدر کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:"ہندوستان الحمد للہ دار الاسلام ہے، کیونکہ اس میں بہت سے شعائر اسلامی باقی ہیں اور جب تک ان شعائر اسلامیہ کا تعلق باقی رہے دارالاسلام دارالاسلام ہی رہتاہے، اس لیے کہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ رہا سود کا لینا ،تو وہ نصوص تحریم کے اطلاق کی وجہ سے مطلقاً حرام ہے اور فقہاء کرام نے جو دارالحرب میں زیادہ لینے کے جواز کا ذکر کیا ہے، وہ سود کے قبیلہ سے نہیں ہے کیونکہ سود مال معصوم میں ہوتا ہے اور اہل حرب کا مال معصوم نہیں، یہاں تک کہ اگر اہل حرب میں سے کوئی شخص وہاں ہی مسلمان ہوا اور ہجرت کرکے ہماری طرف دارالاسلام میں نہیں آیا ،تو اس کا مال لینا مال مباح کا لینا ہے نہ کہ سود کا لینا۔ اسی لیے محققین فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں کوئی سود نہیں، یوں نہیں فرماتے کہ وہاں سود لینا جائز ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں، نہ یہ کہ مالک کا غلام

1...فتاویٰ رضویہ، ج03، ص280، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

سے سود لینا جائز ہے، اس پر سود کا اطلاق محض صورت کے اعتبار سے ہے اور احکام تو حقائق کے لیے ہوتے ہیں (نہ کہ صورت کے لیے) **اور یہ حکم مذکور ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے اگرچہ وہ دارالاسلام میں ہو کیونکہ اس حکم کا دارومدار مال کے معصوم نہ ہونے پر ہے اور وہ (عدم عصمت) تمام غیر مستامن حربیوں کو شامل ہے چنانچہ ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکا بازی کے کچھ حرام نہیں، اور جب تو دھوکا بازی سے اعراض کرتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو بیشک تو نے مال مباح لیا اس میں تجھ پر کوئی مواخذہ نہیں** جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلبہ روم کے بارے میں کفار مکہ سے شرط لگائی اور نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کی اجازت سے اس شرط پر کفار مکہ کا مال لے لیا، کیونکہ ان کا مال معصوم نہیں ورنہ تو یہ جوا ہے، جو کہ حرام ہے۔ **اس باب میں یہ قاعدہ کلیہ ہے جس نے اس کو مستحکم کرلیا اس پر جزئیات کا استخراج آسان ہو گیا اور ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔** (ت)"[1]

(10)...دولہا کا پھولوں والا سہرا پہننا:

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بد مذہبوں نے یہ فتوی جاری کیا کہ دولہا کے لیے پھولوں والا سہرا، ناجائز و حرام ہے، دیگر وجوہات کے ساتھ ایک وجہ یہ بیان کی کہ اس میں ہندوؤں سے مشابہت ہے، تو امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے اصلِ کلی سے اس حکم کا استخراج کرتے ہوئے مسئلہ کا جواب ارشاد فرمایا کہ کفار سے مشابہت اس صورت میں ممنوع ہے، جب فاعل کا قصد مشابہت ہو یا وہ فعل اہل باطل کا شعار وعلامت خاصہ ہو جس کے سبب سے وہ پہچانے جاتے ہوں، یا خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو۔ جبکہ سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے،

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج17، ص369،368، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

پھر فرمایا یہ قاعدہ بھی ضرور یاد رکھنے کا ہے جس سے مخالفین کے اکثر اوہام کا علاج ہوتا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”اصل بات یہ ہے کہ بربنائے تشبہ کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا قصد مشابہت ہو یا وہ فعل اہل باطل کا شعار وعلامت خاصہ ہو جس کے سبب سے وہ پہچانے جاتے ہوں، یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو، تو برا کہا جائے گا، ورنہ ہرگز نہیں اور سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے۔ **یہ قاعدہ بھی ضرور یاد رکھنے کا ہے، جس سے مخالفین کے اکثر اوہام کا علاج ہوتا ہے۔** درمختار میں بحر الرائق سے منقول: التشبه بهم لا يكره في كل شيئ بل في المذموم وفيما يقصد به التشبه ۔ اہل کتاب سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں، بلکہ بری بات میں اور وہاں کہ ان سے مشابہت کا قصد کیا جائے۔ مولٰنا علی قاری شرح فقہ اکبر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرماتے ہیں: انا ممنوعون عن التشبيه بالكفرة واهل البدعة في شعارهم، لا منهيون عن كل بدعة ولو كانت مباحة سواء كانت من افعال اهل السنة او من افعال الكفرة واهل البدعة فالمدار على الشعار۔“[1]

4 عموم واطلاق سے استدلال

نصوص کے اطلاق سے مراد یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی قید نہ ہو، بلکہ مطلق حکم کا بیان ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں کفارہ ظہار کے متعلق فرمایا گیا کہ: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ ترجمہ کنز العرفان: پھر جو (روزے کی) طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (لازم ہے)۔[2]

1... فتاویٰ رضویہ، ج23، ص321، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

2... القرآن، پ28، سورۃ المجادلۃ، آیت:04۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مظاہر (ظہار کرنے والا) کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے جماع کرلے تو نئے سرے سے کھانا کھلانے کا حکم نہیں ہو گا، کیونکہ قرآن کریم میں مطلقاً ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے، اس دوران بیوی کو نہ چھونے کی کوئی شرط نہیں، لہذا کتاب اللہ کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا، قیاس کے ذریعے اس پر کسی قسم کی قید کا اضافہ نہیں ہو گا، کیونکہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔

نصوص کے عموم سے مراد یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی تخصیص نہ ہو بلکہ علی سبیل العموم کسی حکم کا بیان ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں چوری کی سزا کے متعلق فرمایا گیا: ﴿وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: اور جو مرد یا عورت چور ہو تو اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر ان کے عمل کے بدلے میں ان کے ہاتھ کاٹ دو[1]۔

اس آیت کی روشنی میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر چور کا ہاتھ اس کے پاس موجود مال کے ضائع ہو جانے کے بعد کاٹا جائے، تو اس پر مال کا تاوان ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا کہ ہاتھ کاٹنا اُس کی مجموعی سزا ہے، کیونکہ اس آیت کریمہ میں جو کلمہ "ما" ہے یہ عام ہے، جو چور کے تمام جرائم کو شامل ہے، اور تاوان کو لازم قرار دینے کی صورت میں سزا دو چیزوں کا مجموعہ بن جائے گی، لہذا اس کو غصب پر قیاس کرنے کی وجہ سے، اس کے عموم پر عمل کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

نصوص کے اطلاق و عموم سے استدلال کرنا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی ثابت ہے، صحابہ کرام علیہم الرضوان قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ کے عموم واطلاق سے استدلال فرمایا

1... القرآن، سورۃ المائدہ، آیت:38۔

کرتے، ان کے دور میں پیش آنے والے مختلف واقعات میں خصوصی شانِ نزول والی آیات کے الفاظ کے عموم سے استدلال فرمانا، صحابہ کرام میں شائع وذائع تھا، جیسا کہ ہمارے کئی اکابرین نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے۔ اسی طرح فقہائے کرام سلفا و خلفا اطلاق نصوص سے استدلال کرتے آئے ہیں، کتب فقہ میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "من الادلة على اعتبار عموم اللفظ احتجاج الصحابة و غيرهم في وقائع بعموم آيات نزلت على اسباب خاصة شائعا ذائعا بينهم" ترجمہ: قرآنی آیات کے لفظوں کے عموم کے معتبر ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور دیگر ائمہ کا خاص واقعے کے متعلق نازل ہونے والی آیات سے عمومی پیش آمدہ واقعات پر استدلال کرنا شائع وذائع ہے۔[1]

رئیس المتکلمین علامہ مفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "استدلالِ عموم واطلاق سے اہلِ اسلام میں از عہدِ صحابہ کرام علیہم الرضوان بلا نکیر جاری ہے اور عقلِ سلیم (کہ شوائب اوہامِ باطلہ سے پاک ہے) اس کی صحت پر حکم کرتی ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے: وايضاً شاع وذاع احتجاجهم سلفاً و خلفاً بالعمومات من غير نكير اور اسی طرح ہمارے آئمہ کرام کا عموم و اطلاق سے سلفاً خلفاً استدلال بلا نکیر شائع وذائع ہے۔ پھر لکھتے ہیں: وذلك كاحتجاج عمر رضي الله عنه على أبي بكر في قتال مانعي الزكاة بقوله: "أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله"، فقرره واحتج بقوله عليه السلام: "إلا بحقها" وأبي بكر رضي الله عنه بقوله عليه السلام: "الأئمة من قريش". وبقوله عليه السلام: أنا معشر الأنبياء لا نورث وما تركناه صدقة اور یہ معاملہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مانعین زکوٰۃ سے قتال کے خلاف عمر رضی اللہ

1... الاتقان فی علوم القرآن، ص 73، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ۔

تعالیٰ عنہ کے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "مجھے تب تک لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا جب تک وہ لا إله إلا الله نہ کہہ لیں" کو دلیل بنانے کی طرح ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان "الا بحقها" کو دلیل بنایا۔ اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "آئمہ قریش سے ہوں گے" اور آپ کے فرمان "میں معشر انبیاء سے ہوں ہم وارث نہیں بناتے جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے" کو اپنی مؤقف کی دلیل بنانے کی طرح ہے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں: يعني أن القدماء الصحابة ومتابعيهم والمتأخرين ومن بعدهم يحتجون في الأحكام الشرعية بالعمومات، أي: بالألفاظ الدالة عليها یعنی قدماء صحابہ اور ان کے متبعین اور متاخرین صحابہ اور ان کے بعد والے احکام شرعیہ میں بالعموم استدلال کرتے ہیں، یعنی ایسے الفاظ کے ساتھ جو اس پر دلالت کرتے ہوں، حتی کہ حنفیہ حملِ مطلق کو مقید پر اتحادِ حکم وحادثہ کے سوا کسی جگہ جائز نہیں سمجھتے، کہ عمل بالمقید سے مطلق پر عمل حاصل نہیں ہوتا، تو بلاوجہ ایک دلیل شرعی کا اِہمال لازم آتا ہے اور شافعیہ (کہ مطلقاً محمول مانتے ہیں) عمل بالمقید کو مستلزم عمل بالمطلق جانتے ہیں۔ **خلاصہ مرام یہ کہ عموم و اطلاق کے دلیل شرع ہونے پر سلف و خلف متفق رہے ہیں اور ائمہ مجتہدین اور علمائے راسخین نے صدہا مسائل جزئیہ اور مطالب علیہ اُس سے استخراج کیے ہیں۔**"[1]

سیدی اعلیٰ حضرت، الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک علماء میں شائع وذائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہو گی، ہمیشہ محمود رہے گی تاوقتیکہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے، مثلاً مطلق

1... اصول الرشاد، ص116 تا118، مطبوعہ: ادارہ اہل سنت، کراچی۔

ذکر الٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت توجب کبھی، کہیں، کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت، غرض جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاج دلیل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے: شاع وذاع احتجاجهم سلفاً وخلفاً بالعمومات من غير نكير۔ متقدمین ومتاخرین کا عمومات سے استدلال کرنا بغیر کسی انکار کے معروف اور رائج ہے۔ اسی میں ہے: العمل بالمطلق يقتضي الاطلاق۔ مطلق پر عمل کرنا اطلاق کا تقاضا کرتا ہے۔ تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے: العمل به ان يجرى فى كل ماصدق عليه المطلق۔ اس پر عمل کرنا یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز میں جاری ہو جس پر مطلق صادق آتا ہے۔ یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیریہ میں ہے: جب عام ومطلق چھوڑا تو یقینا اپنے عموم واطلاق پر رہے گا عموم واطلاق سے استدلال برابر زمانہ صحابہ کرام سے آج تک بلا نکیر رائج ہے۔"[1]

ہم نیچے فقہاء کے کلام سے اس کی کچھ امثلہ بیان کرتے ہیں۔

(1)... مجلس میلاد میں ذکر ولادت مصطفی ﷺ کے وقت قیام کرنا:

مجلس میلاد میں ذکرِ ولادتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وقت قیام کرنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس کے جائز ومستحسن ہونے کے بارے میں ایک پورا رسالہ تحریر فرمایا اور دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ

1... فتاویٰ رضویہ، ج26، ص528، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ایک مستقل دلیل، اطلاق نصوص سے استدلال کو بھی بنایا۔

چنانچہ رسالہ "اقامة القيامة على طاعن القيام لنبی تهامه "میں ارشاد فرماتے ہیں: "اب سنئے ذکر الٰہی کی خوبی شرع سے مطلقاً ثابت، قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴾ "خدا کو یاد کرو بہت یاد کرنا" اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، بلکہ تمام انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یاد میں خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد ہے تو، اسی لیے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ مع ہذا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یاد مجالس ومحافل میں یونہی ہوتی ہے کہ حضرت حق تبارک وتعالیٰ نے انہیں یہ مراتب بخشے یہ کمال عطا فرمائے، اب چاہے اسے نعت سمجھ لو، یعنی ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسے جنہیں حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے درجے دیے اس وقت یہ کلامِ کریمہ ﴿ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ﴾ کی قبیل سے ہوگا، چاہے حمد سمجھ لو، یعنی ہمارا مالک ایسا ہے، جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے، اس وقت یہ کلام کریمہ ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ ﴾ وآیۃ کریمہ ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی ﴾ کے طور پر ہو جائے گا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے: ﴿ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفا شریف میں اس آیۃ کریمہ کی تفسیر سیدی ابن عطا قدس سرہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں: جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکرنی۔ یعنی حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا، تو جو تمہارا ذکر کرے، اس نے میرا ذکر کیا۔

بالجملہ، کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کر سکتا کہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی

یاد بعینہ خدا کی یاد ہے، پس بحکمِ اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی، حسن و محمود ہی رہے گی اور مجلس میلاد وصلوٰۃ بعدِ اذان وغیرہما کسی خاص طریقے کے لیے ثبوتِ مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہر گز حاجت نہ ہو گی، ہاں جو کوئی ان طُرق کو ممنوع کہے، وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے۔

اسی طرح نعمتِ الٰہی کے بیان واظہار کا ہمیں مطلقاً حکم دیا گیا، قال اللہ تعالی: ﴿ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو۔ **اور ولادتِ اقدس حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے، تو اس کے خوب بیان واظہار کا نص ِ قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا** اور بیان واظہار مجمع میں بخوبی ہو گا، تو ضرور چاہیے کہ جس قدر ہو سکے، لوگ جمع کیے جائیں اور انہیں ذکرِ ولادتِ باسعادت سنایا جائے، اسی کا نام مجلسِ میلاد ہے، علیٰ هذا القیاس ۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآن عظیم سے مطلقاً ثابت، قال اللہ تعالی: ﴿ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ ۔ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴾ اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا، تاکہ اے لوگو! تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم کرو۔

وقال تعالیٰ: ﴿ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ بیشک دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔ قال ﴿ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے یہاں۔

پس بوجہِ اطلاقِ آیات، حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی، حسن و محمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکارنہ ہوگا۔ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہوجائے گی، تو وہ بیشک ممنوع ہوگا، جیسے حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانوروں کو ذبح کرتے وقت تکبیر کی بجائے ،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینا، اسی لیے علامہ ابن حجر مکی" جوہر منظم "میں فرماتے ہیں: تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیھا مشارکۃ اللہ تعالیٰ فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارھم۔یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم تمام اقسامِ تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو، ہر طرح امر مستحسن ہے، ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے۔

پس یہ قیام کہ وقتِ ذکرِ ولادتِ شریفہ اہل اسلام محض بنظر تعظیم واکرام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بجالاتے ہیں ،بیشک حسن و محمود ٹھہرے گا ،تاوقتیکہ مانعین خاص اس صورت کی برائی کا قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دیں وانّی لھم ذٰلک (اور یہ ان کے لیے کہاں سے ہوگا؟)[1]

(2)... غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے گیارہویں کرنا:

غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے گیارہویں کرنا کیسا ہے؟ نیز اس کے لیے کسی خاص دن کے تعین میں کوئی قباحت ہے؟ اس کے جواب میں صدر الشریعہ مولانا

1... فتاویٰ رضویہ، ج26، ص529 تا 531، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گیارہویں کو جائز و مندوب قرار دیا، پھر احادیث و فقہ کے دیگر دلائل کے ساتھ ایک مستقل دلیل، اطلاقِ نصوص سے استدلال کو بھی بنایا۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:"ایصالِ ثواب شرعاً مندوب و محبوب ہے، احادیث و فقہ سے اس کا جواز ثابت ہے اور گیارہویں کی فاتحہ بھی اسی ایصالِ ثواب کی ایک فرد ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز ہے کہ مطلق کے جواز ثابت ہونے کے بعد، افراد کا جواز خود ہی ثابت ہے، جب تک افراد میں شرعاً قباحت ثابت نہ ہو، ناجائز نہیں کہہ سکتے اور یہاں گیارہویں کے عدمِ جواز کی کوئی دلیل نہیں، نہ قرآن میں اس کی ممانعت، نہ حدیث میں، نہ اس کے متعلق کوئی اجماع، نہ قیاسِ مجتہد اور جب ناجائز ہونے کی کوئی شرعی دلیل نہیں، تو ناجائز کہنا غلط و باطل اور ایصالِ ثواب کے ثبوت سے اس کا جواز ثابت۔۔۔۔ تخصیص کو وجہِ ممانعت قرار دینے کے معنی اگر یہ ہیں کہ نفسِ ایصال "معرا عن الخصوصیات "تو جائز ہے اور خصوصیت نے ناجائز کر دیا، تو یہ کلام بے معنی ہے۔ اس لیے کہ شے "من حیث ھو معریٰ عن الخصوصیات" صرف ایک ذہنی مرتبہ ہے، وہ خارج میں پائی نہیں جاسکتی کہ جو چیز خارج میں موجود ہو گی، وہ ضرور مختص ہو کر رہے گی، تو جب وہ متحقق ہی نہیں، تو وہ نہ جائز ہے، نہ ناجائز ہے کہ یہ دونوں فعلِ مکلف کے صفات ہیں اور افعالِ مکلفین "معرا عن الخصوصیات "متحقق نہیں، لہٰذا خصوصیات کو ناجائز کہنے کا معنی یہی ہیں کہ ایصالِ ثواب ہی کو ناجائز کہا جاتا ہے اور اس کے منع کرنے کا یہ ایک حیلہ ہے اور جب ہم ایصال کو احادیث و کتبِ فقہ سے جائز، ثابت کر چکے اور وہ ضرور کسی وقتِ خاص میں کسی مکانِ خاص میں کسی ہیاۃِ خاصہ کے ساتھ ہو گا۔ **تو جب تک ان میں کی کوئی خصوصیت شرعاً ممنوع نہ قرار پائے، تمام خصوصیات کے ساتھ ایصالِ ثواب جائز ہی رہے گا اور ناجائز کہنے والے پر خصوصیت**

کی ممانعت ثابت کرنی ہو گی اور اگر خصوصیت کو ممنوع کہنے کا معنی یہ ہیں کہ گیارہویں وغیرہ کی فاتحہ دلانے والے اسے گیارہویں ہی تاریخ کو جائز کہتے ہیں اور دیگر اوقات میں ناجائز جانتے ہیں اور جب مطلق ایصالِ ثواب جائز ہے، تو اسے ایک تاریخ میں جائز کہنا اور دوسری تاریخوں میں ناجائز کہنا، خلافِ شرع ہے کہ اطلاقِ شرعی کو اپنی رائے سے مقید کرنا ہے اور یہ ناجائز ہے، تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایسی خصوصیت ضرور ممنوع ہے۔ ملخصاً"[1]

(3)... اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنا:

اذان سے پہلے درود و سلام پڑھنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیتِ قرآنی کے اطلاق سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مطلقاً درود و سلام پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، اس میں ایسا کوئی استثناء نہیں فرمایا کہ اذان کے بعد درود و سلام نہ پڑھو۔ لہٰذا جب بھی درود و سلام پڑھا جائے گا، آیتِ قرآنی کے اطلاق پر ہی عمل ہو گا۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلاۃ جو بعدِ اذان بلفظ "الصلاۃ والسلام علیك یا رسول اللہ" پڑھی جاتی ہے، مخالف کہتا ہے کہ یہ فعل قرآن شریف اور حدیث شریف کے باہر ہے اور شارعِ اسلام کے خلاف ہے یا کوئی مجھے بتائے کہ فرض ہے یا واجب یا سنّت ہے یا مستحب، اور یہ فعل نیم مولوی کا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کو امام بنانا چاہیے یا نہیں؟

اس کے جواب میں فرمایا: "مخالف جھُوٹا ہے اور شریعتِ مطہرہ پر افترا کرتا ہے، ثبوت

1... فتاویٰ امجدیہ، ج1، ص346تا354 مطبوعہ: مکتبہ رضویہ، کراچی۔

دے، شرعِ مطہر نے اسے کہاں منع فرمایا ہے ؟ کہ خلافِ شرع کہتا ہے، ہاں! وہ فرداً مستحب ہے اور اصلاً فرد فرض ہے ،قال اللہ تعالٰی:﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ بیشک اللہ اور اس کے سب فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر، اے ایمان والو! درود بھیجو ان پر اور خوب سلام عرض کرو (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم)۔

رب عزوجل کا حکم مطلق ہے ، اس میں کوئی استثناء فرمادیا ہے کہ مگر اذان کے بعد نہ بھیجو، جب پڑھا جائے گا، اسی حکمِ الٰہی کا امتثال ہو گا، فلہٰذا ہر بار درود پڑھنے میں ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے کہ سب اُسی مطلق فرض کے تحت میں داخل ہے ، تو جتنا بھی پڑھیں گے ، فرض ہی میں شامل ہو گا، نظیر اس کی تلاوتِ قرآنِ کریم ہے کہ ویسے تو فرض ایک ہی آیت ہے اور اگر ایک رکعت میں سارا قرآنِ عظیم تلاوت کرے ، تو سب فرض ہی میں داخل ہو گا اور فرض ہی کا ثواب ملے گا، سب ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (پس پڑھ قرآن سے جو تمہیں آسان ہے۔ ت) کے اطلاق میں ہے، آج کل ایسا انکار کرنے والے کوئی نہیں، مگر وہابیہ اور وہابیہ کے پیچھے نماز باطل محض ہے واللہ تعالٰی اعلم۔"[1]

(4)...کیا نابالغ بچہ ایصالِ ثواب کر سکتا ہے؟

کیا نابالغ بچہ ایصالِ ثواب کر سکتا ہے؟ فقہائے کرام نے نصوص کے عموم و اطلاق سے استدلال کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ نابالغ بچے یا بچی نے اگر نماز پڑھی یا قرآنِ پاک کی تلاوت کی یا اس کے علاوہ کوئی بھی نیک کام کیا، تو وہ بھی بالغ افراد کی طرح اس کا ثواب دوسروں کو ایصال کر سکتے ہیں ، کیونکہ نابالغ پر اگرچہ عبادات واجب نہیں، مگر جب وہ عبادت کرتا ہے، تو اسے عبادت کا

1... فتاوٰی رضویہ، ج5، ص422، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

ثواب ملتا ہے۔ اور شریعتِ مطہرہ کا اصول ہے کہ ہر شخص (چاہے بالغ ہو یا نابالغ) اپنی عبادات پر حاصل ہونے والا ثواب دوسروں کو ایصال کر سکتا ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں ایک شبہ (کہ ایصالِ ثواب ہدیہ اور تبرع ہے اور نابالغ بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے) کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایسا تبرع ہے کہ جس میں نابالغ بچے کو صرف نفع ہے، کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ بھی نہیں ہے اور نابالغ بچہ ایسے تصرفات کا اہل ہے، جن میں صرف نفع ہو۔ لہٰذا نابالغ بچہ قرآنِ پاک کی تلاوت و دیگر نیکیوں کا ثواب دوسروں کو ایصال کر سکتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”ہر وہ قربت کہ بچہ جس کا اہل ہے، (غلام آزاد کرنا، صدقہ کرنا، مال کا ہبہ کرنا اور اس طرح کی قربتیں یہ بچّے سے واقع ہو نہیں سکتیں)، جب عاقل بچّے سے وہ ادا ہو گی، تو قولِ جمہور اور مذہبِ صحیح و منصور یہ ہے کہ اس کا ثواب بھی بچے ہی کے لیے ہو گا، علامہ استروشنی جامع صغار میں فرماتے ہیں: بچے کی نیکیاں جو اس پر قلم جاری ہونے سے قبل ہوں، وہ بچے ہی کے لیے ہیں، اس کے والدین کے لیے نہیں، کیونکہ ارشادِ باری ہے: انسان کے لیے وہی ہے، جو اس نے کوشش کی، یہ ہمارے عامّہ مشائخ کا قول ہے۔

پھر کتبِ اصول و فروع میں ہمارے علماء کی روشن تصریحات موجود ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا ثواب دوسرے کے لیے کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ہدایہ، شروحِ ہدایہ، ملتقی، در مختار، خزانۃ المفتین، ہندیہ وغیرہا کتبِ مذہب میں اس کی صراحت ہے۔

علمائے کرام نے یہ کلام اسی طرح مُرسَل و مطلق رکھا ہے۔ کسی تخصیص و تقیید کا اشارہ و نشان نہ دیا، تو جس طرح اعمال کو مطلق ذکر کرنے سے علماء نے یہ استدلال کیا کہ یہ حکم فرائض کو بھی شامل ہے اور اس عمل کو بھی جسے ابتداءً اپنے لیے دوسرے کی نیت کے بغیر کیا ہو۔ اور جس

طرح "غیر" کے عموم سے یہ استدلال کیا کہ اس میں حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلٰوۃ والثناء بھی داخل ہیں ، اسی طرح لفظ "انسان" مطلق مذکور ہونا، اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اس میں بچے بھی داخل ہیں، جب تک کہ کوئی صحیح برہان، ان کے استثناء پر قائم نہ ہو جائے، مگر ایسی برہان کہاں اور کون؟

ردالمحتار میں ہے: بحر میں بطورِ بحث ہے کہ علماء کا اعمال کو مطلق ذکر کرنا، فرض کو بھی شامل ہے۔ اھ۔ اور اُسی میں اِسی بحر کے حوالے سے ہے: ظاہر یہ ہے کہ میرے نزدیک اِس میں کوئی فرق نہیں کہ عمل کے وقت دوسرے کے لیے کرنے کی نیت کی ہو یا اپنے لیے کرنے کی نیت کی ہو، پھر اس کا ثواب دوسرے کے لیے کر دے۔ اس لیے کہ کلامِ علماء میں اطلاق ہے، ایسی کوئی قید نہیں ۔اِسی میں ہے: میں نے کہا: ہمارے علماء کا قول ہے کہ "وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے (اپنے غیر) کے لیے کر سکتا ہے" ، تو اس میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم بھی داخل ہیں، اس لیے کہ وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں ، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ہی ہمیں گمراہی سے نجات دی ۔

زیادہ سے زیادہ جو شبہ یہاں دل میں گزر سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک ، ان پر اللہ کی پوشیدہ عنایتیں عام ہوں، یہ عمل ثواب کا ہبہ اور ہدیہ ہے اور بچہ تبرّع (اپنی طرف سے بھلائی اور احسان کے طور پر کچھ کرنے) کا اہل نہیں ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ت) عاقل بچہ ہر طرح کے تصرف سے مجور نہیں (حَجْر کا معنٰی تصرف سے روک دینا) حجر کا منشا یہی ضرر ہے، اگرچہ فی الحال نقصان ہو، جیسے قرض دینے میں یا اس کا احتمال ہو، جیسے بیع میں۔ جہاں کوئی ضرر نہیں، وہاں حجر

میں نظر اور بچہ کی رعایت نہیں، بلکہ یہ خلافِ نظر اور بعینہٖ ضرر رسانی ہے کہ گویا اسے جماد اور پتھر سے لاحق کر دینا ہے۔

دیکھئے کہ بچہ بالاجماع اِس کا اہل ہے کہ سلام میں پہل کرے، بلکہ اِس کے مربی کو چاہیے کہ اگر خود اِس کا عادی نہ ہو تو اِسے سکھائے، حالانکہ یہ بھی تبرع ہی کے باب سے ہے، یہاں تک کہ حدیث میں اِسے صدقہ کا نام دیا گیا ہے۔ امام ابوداؤد، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث میں راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو ملے اُس سے سلام کرنا صدقہ ہے۔

اِس طرح کی بہت سی اور کثیر نیکیاں ہیں اور ان کا دروازہ مسلمان بچوں پر بند نہیں ،جب تک کہ کوئی نقصان یا اندیشہ نقصان نہ ہو۔ اِن سب سے آگے بڑھیے اور بلند تر سنیے: انسان اپنے لڑکے کو، یا ماذون لڑکوں میں سے جس کو چاہے، بغیر اُس کے کہ کسی کے اِذن کی حاجت ہو اور مجور ہو ،تو اُس کے ولی سے پوچھ کر، اپنے مقدمات میں وکیل بنا سکتا ہے یا اسے اپنا سامان بیچنے یا اپنے لیے کوئی سامان خریدنے کا حکم دے سکتا ہے، بغیر اس کے کہ درمیان میں کسی اجرت کا نام ہو، یہ خود تبرُّع نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر علماء نے اسے جائز رکھا، کیونکہ اِس میں کوئی نقصان نہ سمجھا، بلکہ اِس کی عبارت کی تصحیح کو فائدہ قرار دیا۔ جامع الصغار میں ہے: ذخیرہ کتاب الوکالۃ میں ہے: اپنا غلام بیچنے کے لیے کسی بچے کو وکیل بنایا اور بچے نے خرید وفروخت کیا ،تو جائز ہے، جبکہ بچہ اسے سمجھتا ہو اور ذمہ بچے پر نہیں، بلکہ آمر پر ہو گا، اسی طرح اگر کسی بچے کو مقدمے کا وکیل بنایا ،تو جائز ہے، جبکہ یہ سمجھتا ہو کہ خود کیا کہہ رہا ہے اور اس سے کیا کہا جا رہا ہے، بلحاظِ حاصل اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: (۱) یا تو خود اس کا بچہ ہو گا (۲) یا دوسرے کا ہو گا، اگر اپنے بچے کو وکیل بنایا، تو

جائز ہے اور کسی سے اجازت لینے کی حاجت نہیں۔اور اگر دوسرے کے بچے کو وکیل بنایا، تو (دو حالت ہے) اگر وہ تجارت کے لیے ماذون تھا، تو اس کے ولی سے اجازت لے، اگر اس نے اجازت دے دی، تو اسے وکیل بنانا جائز ہے۔ یہ اِس لیے کہ دوسرے کے بچے سے اجازتِ ولی کے بغیر کام لینا جائز نہیں اور اس کے اذن سے ہو، تو جائز ہے۔ علماء نے فرمایا: اس مسئلہ سے متعلق ایک روایت ہے، وہ یہ کہ باپ اپنے بچے کو عاریۃً دے سکتا ہے، اس پر مشائخ کا اتفاق ہے۔ اپنے بچے کے مال کو عاریۃً دے سکتا ہے یا نہیں؟ بعض متاخرین نے کہا دے سکتا ہے۔ اور اکثر اس پر ہیں کہ باپ کو اس کا اختیار نہیں، پھر جو بچہ مجور ہے، وہ اگر دوسرے کے لیے خرید وفروخت کرے، تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے جائز رکھا ہے، اور اپنے لیے خرید وفروخت کرے، تو اس کو جائز قرار نہ دیا، اِس لیے کہ اپنے لیے اس کی جو خرید وفروخت ہو گی، اس میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے اور دوسرے کے لیے جب اس طور پر خرید وفروخت ہو گی کہ ذمہ بچے پر نہ آئے، تو اس میں اس کے لیے محض نفع ہے، کیونکہ اس کی تعبیر اور گفتگو صحیح قرار پاتی ہے اور عاقل بچہ ایسے تصرفات کا اہل ہے، جن میں صرف نفع ہو، جیسے ہبہ قبول کرنا وغیرہ اور ذمہ بچہ پر نہ آئے گا، اس لیے اس میں بچہ کا ضرر ہے الخ۔(ت)"[1]

(5)...سوتیلی ساس سے نکاح کا حکم؟

سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نصوص کے عموم واطلاق سے استدلال کرتے ہوئے، اِس مسئلہ کا استخراج فرمایا کہ سوتیلی ماں سے نکاح بیشک جائز ہے۔

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج09، ص630 تا635، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن لاہور۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا کہ زید کو بکر کی بیٹی بیاہی ہے اور بکر نے دوسری عورت سے نکاح کیا۔ بعدہ بکر مر گیا۔ اب زید چاہتا ہے کہ اپنی سوتیلی خوش دامن سے نکاح کرے۔ یہ نکاح موافقِ حاشیہ عینی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور زن مذکورہ قولہ تعالیٰ ﴿ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ ﴾ میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: "نکاحِ مذکور بیشک جائز ہے۔ قال اللہ عزوجل: ﴿ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ (محرماتِ مذکورہ کے ماسوا تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ ت) علماء قاطبہ، متون وشروح وفتاوٰی میں محرماتِ صہریہ، زوجاتِ اصول وفروع، اصول وفروعِ زوجات بتاتے ہیں، نہ زوجہ اصولِ زوجہ وعدم الذکر فی امثال المقام ذکر العدم کما لایخفی (ایسے مقام میں ذکر نہ ہونا، گویا نہ ہونے کا ذکر ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) اور سوتیلی ماں لفظ امہات میں ہرگز داخل نہیں، ورنہ آیۂ تحریم میں ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ﴾ (تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ ت) کے بعد ﴿ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ ﴾ (جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا، تم ان سے نکاح نہ کرو۔ ت) کیونکر فرمایا جاتا؟ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ سوتیلی ماں کی ماں اور اس کی بیٹی اور اس کی بہن سب حلال ہیں۔ اگر سوتیلی ماں بھی ماں ہوتی، تو یہ عورتیں اس کی نانی، بہن، خالہ قرار پاتیں۔ علامہ خیر الدین رملی فرماتے ہیں: "لاتحرم بنت زوج الام ولاامہ ولاام زوجۃ الاب ولابنتھا۔" ماں کے خاوند کی بیٹی اور اس کی ماں اور باپ کی دوسری بیوی کی ماں اور بیٹی حرام نہیں۔ (ت)

اصل یہ ہے کہ ساس کی حرمت اس وجہ سے نہیں کہ وہ خسر کی زوجہ ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ زوجہ کی ماں ہے، سوتیلی ساس میں یہ وجہ نہیں، لہٰذا اس کی حلت میں کوئی شبہ نہیں، مسئلہ

واضح ہے اور حکم ظاہر، واللہ تعالیٰ اعلم۔"[1]

(6)... حضور سید عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے علم ماکان ومایکون کا ثبوت:

عموم واطلاق سے استدلال کی ایک مثال حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علمِ ماکان ومایکون کا ثبوت بھی ہے، کہ جب بد مذہبوں نے اس عقیدے پر اعتراضات کیے اور اس کی نفی میں چند خصوص پر مشتمل نصوص سے استدلال کیا، تو ان کا رد کرتے ہوئے، امامِ اہلِ سنت نے ایک آیتِ کریمہ ذکر فرما کر اس کے عموم سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ماکان ومایکون کا علم ثابت فرمایا۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"وہابیہ خذلھم اللہ تعالٰی ان نصوصِ قاہرہ کے مقابل ادھر ادھر سے کچھ عبارات دربار تخصیصِ غیوب نقل کر لاتے اور بغلیں بجاتے ہیں، حالانکہ یہ محض جہالت، کج فہمی، بلکہ صریح مکاری اور ہٹ دھرمی ہے۔ انصافاً وہ ہمارے ہی بیان کا دوسرا پہلو دکھاتے ہیں۔ فقیر گزارش کر چکا کہ۔۔۔ عامہ اولیاء کرام وبکثرت علمائے عظام جانبِ تعمیم ہیں اور یہی ظاہرِ نصوصِ قرآنِ عظیم و مفاداتِ احادیثِ حضور پرنور علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ہے۔۔۔ تم دس عبارتیں خصوص میں لاؤ ہم سو نصوص عموم میں دکھائیں گے، پھر ظواہرِ قرآن و حدیث وعامہ اولیائے قدیم وحدیث ہمارے ساتھ ہیں، اور اسی میں ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کی ترقی اور خود اسی بارے میں ان کا رب عزوجل فرما چکا کہ: ﴿وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ اور سکھا دیا تمہیں جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بڑا ہے۔ ملخصاً"[2]

1... فتاویٰ رضویہ، ج11، ص312، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

2... فتاویٰ رضویہ، ج29، ص478، 477، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(7)...نمازِ جنازہ کے بعد دعا کا حکم:

نمازِ جنازہ کے بعد دعا جائز ہے یا نہیں؟ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نصوص کے عموم و اطلاق سے استدلال کرتے ہوئے، اس مسئلہ کا استخراج فرمایا کہ مسلمان مُردوں کے لیے دعا کرنا، شریعتِ مطہرہ نے محبوب و مندوب فرمایا ہے، اور اس کے ندب و ترغیب پر آیات و احادیث مطلق ہیں، جن میں کسی وقت کی تخصیص نہیں ہے، اور جب تک کوئی خاص ممانعت شرعِ مطہرہ سے ثابت نہ ہو، تو مطلق کو مقید کرنا، اپنی طرف سے شریعت بیان کرنا ہے، لہٰذا بعدِ جنازہ دعا کرنا، بلا شبہہ جائز، بلکہ شرعاً مندوب و محبوب ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”امواتِ مسلمین کے لیے دُعا قطعاً محبوب و شرعاً مندوب جس کی ندب و ترغیب مطلق پر آیات و احادیث بلا توقیت و تخصیص ناطق، تو بلا شبہہ ہر وقت اس پر حکمِ جواز صادق، جب تک کسی خاص وقت ممانعت شرعِ مطہر سے ثابت نہ ہو، مطلقِ شرع کو از پیشِ خویش موقّت اور مرسل کو مقید کرنا، تشریع من عند النفس ہے اور نماز ہر چند اعظم و اجل طرق ہے، مگر اُس پر اقتصار کا حکم، نہ اُس کے اغنا پر جزم، بلکہ شرع مبارک وقتاً فوقتاً بکثرت اور بار بار تعرض نفحاتِ رحمت کا حکم فرماتی ہے، کیا معلوم کس وقت کی دعا قبول ہو جائے۔ صحیح حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: لیکثرمن الدعا۔اخرجه الترمذی والحاکم عن ابی هریره رضی اللہ تعالیٰ عنه وقال صحیح واقروه۔ دعا کی کثرت کرے۔ اسے ترمذی و حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور حاکم نے کہا صحیح ہے اور علماء نے اسے بر قرار رکھا۔“[1]

1... فتاویٰ رضویہ، ج09، ص224، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(8)...برزخی تصور کے ساتھ ذکر کرنا:

برزخی تصور کے ساتھ ذکر کرنا، یہ صوفیائے کرام کے نزدیک ایک خاص روحانی مشق ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی کرتے وقت تصور میں عالمِ برزخ کو رکھا جائے، تاکہ ذکر کرنے والے کا دل دنیا سے کٹ کر آخرت کی طرف لگ جائے، یہ اسلاف سے چلا آ رہا ہے، مگر امامِ اہلِ سنت کے دور میں بدمذہبوں نے اس پر کئی اعتراضات وارد کیے اور اس طرز پر ذکر اللہ کرنے کو بدعت اور بے اصل قرار دیا، تو سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نصوص کے عموم واطلاق سے استدلال کرتے ہوئے، اس مسئلہ کا استخراج فرمایا کہ صوفیاء کے طریقے پر یہ ذکر کرنا، بلاشبہہ جائز ہے اور ذکر اللہ کی ترغیبات پر مشتمل آیات کے عموم میں داخل ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیرِ عزیزی میں زیرِ قولہ تعالیٰ ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ کے تحت لکھتے ہیں: یعنی یاد کن نام پروردگار خود را بر سبیل دوام در ہر وقت وہر شغل خواہ بزبان خواہ بقلب خواہ بروح خواہ بہ سر خواہ بخفی خواہ باخفی خواہ بنفس خواہ ذکر یک ضربی خواہ دو ضربی خواہ بحبس نفس خواہ بے حبس خواہ بدون برزخ خواہ بابرزخ الی غیر ذلک من الخصوصیات التی استنبطھا الماھرون من اھل الطرائق وتعین احد الشقین ازیں خصوصیات مذکورہ مفوض بصوابد ید شیخ ومرشد ست کہ بحسب حال ہرچہ را اصلح داند تلقین فرمایا ید چنانچہ در آیت دیگر فرمودہ ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾۔

اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اور ہر شغل میں یاد رکھو، دل، روح، سری، خفی، سانس، یک ضربی یا دو ضربی ہو، یا سانس بند کرکے ہو یا بغیر بند کیے ہو، برزخ کے ذریعے یا بے برزخ وغیرہ خصوصیات

جن کو اہل طریقت کے ماہرین نے اخذ کیا ہے، ان میں سے کسی مخصوص طریقہ کو متعین کرنا مرشد کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ حال کے مطابق جس کو مناسب سمجھے، اس کی تلقین کرے۔ جس طرح دوسری آیہ کریمہ میں ارشاد ہے کہ اگر تم نہ جانو، تو اہل ذکر سے سوال کرو۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) اس عبارت سے جیسا کہ تصورِ برزخ کا جواز ثابت ہوا، اس کے سوا اور بھی فوائدِ جلیل حاصل مثلاً:

ایک یہ کہ شغلِ برزخ کے ساتھ ذکر کرنا، اطلاقِ آیتِ قرآنی کے تحت میں داخل۔

دوم: مطلق ذکر پر قرآن وحدیث میں جو عظیم ترغیبیں آئیں اسے بھی شامل۔

سوم: مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور اُس کا حکم اُس کے جمیع مقیدات میں ساری شرع میں صرف اس کی اجازت، ان کی اجازت کے لیے کافی، جس کے بعد خصوصیاتِ خاصہ کے ثبوتِ خاص کی حاجت نہیں، مطلق اصولی کو مطلق منطقی سمجھنا محض خطا ہے۔"[1]

(9)... نمازِ پنجگانہ کے بعد مصافحہ کا ثبوت:

عموم واطلاق سے استدلال کی ایک مثال نمازِ پنجگانہ کے بعد مصافحہ کا ثبوت بھی ہے کہ جب بدمذہبوں نے اس پر اعتراضات کیے اور اسے بدعتِ مکروہہ قرار دیا، تو ان کا رد کرتے ہوئے، امامِ اہلِ سنت نے علمائے کرام کی عبارات ذکر فرما کر ثابت کیا کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا، احادیثِ مصافحہ کے عموم واطلاق کے تحت داخل ہے کہ جن احادیث میں مسلمان بھائی سے مصافحہ کے فضائل بیان ہوئے، ان میں کسی وقت کی کوئی قید نہیں کہ نماز سے پہلے جائز اور بعد میں منع، بلکہ احادیث میں وارد صیغے عام اور مطلق ہیں۔

1... فتاویٰ رضویہ، ج21، ص580، 581، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"ردالمحتار میں بعدِ نقلِ عبارتِ امام نووی ہے: قال الشیخ ابوالحسن البکری وتقییدہ بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والا فعقب الصلوات کلھا کذلک، کذافی رسالۃ الشُّرُنْبُلَالِی فی المصافحۃ ونُقِلَ مثلہ عن الشمس الحانوتی **وانہ اَفتٰی بہ مستدلا بعموم النصوص الواردۃ فی مشروعیتھا وھو الموافق** لما ذکرہ الشارح من اطلاق المتون۔ شیخ ابوالحسن بکری فرماتے ہیں امام نووی نے بعدِ فجر وعصر کی قید کے ساتھ مصافحہ کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ان کے زمانے میں یہی رائج تھا، ورنہ بعدِ فجر وعصر کی طرح تمام نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ یہی علامہ شرنبلالی کے اس رسالہ میں ہے، جو انہوں نے مصافحہ کے بارے میں لکھا ہے اور اسی کے مثل علامہ شمس الدین حانوتی سے منقول ہے۔ **انہوں نے جوازِ مصافحہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث اور نصوص کے عموم سے استدلال فرماتے ہوئے، اس مصافحہ کے بھی جائز ہونے کا فتوٰی دیا ہے۔** اور یہی اس کے موافق ہے، جو شارح (صاحبِ درمختار علاء الدین حصکفی) نے متونِ فقہ کا اطلاق ذکر کیا ہے۔(ت)

"**مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ**"میں تکملہ شرح اربعین سے ہے: لاوجہ لجواب ابن حجر الشافعی وقد سُئل عن المصافحۃ بعد الصلٰوۃ فقال ھی بدعۃ، انتھی، لان حالۃ السلام حالۃ اللقاء لان المصلی لما احرم صار غائبا عن الناس مقبلا علی اللہ تعالٰی، فلما ادی حقہ قیل لہ ارجع الی مصالحک وسلم علی اخوانک لقد ومک عن غیبتک، ولذلک ینوی القوم بسلام کما ینوی الحفظۃ واذا سلم یندب المصافحۃ اوتسن کالسلام، کما اجاب شیخ الاسلام شیخ مشائخنا شمس الدین محمد بن سراج الدین الحانوتی وقد رفع لہ ھذا السؤال فقال نص العلماء علی ان المصافحۃ للمسلم لا للکافر مسنونۃ من غیر ان یقیدوھا بوقت دون وقت لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من صافح اخاہ والمسلم وحرّک یدہ تناثرت ذنوبہ ونزلت

علیها مأة رحمة تسعة وتسعون منها لاسبقهما وواحدة لصاحبه وقال ایضا مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا فالحدیث الاول یقتضی مشروعیة المصافحة مطلقا اعم من ان تکون عقب الصلوات الخمس والجمعة والعیدین او غیر ذلک۔ لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لم یقیدها بوقت دون وقت والدلیل العام عند الحنفیة اذا لم یقع فیه تخصیص من الادلة الموجبة للحکم قطعا، کالدلیل الخاص وقالوا الدلیل العام یعارض الخاص لقوته۔ والدلیل ههنا عام لان صیغة "مَن "من صیغ العموم وکذا نقل عن شیخ مشائخنا العلامة المقدسی حدیث" من صافح مسلما وقال عند المصافحة اللهم صل علی محمد وعلٰی آل محمد لم یبق من ذنوبه شیئ "فصیغته ایضا من صیغ العموم ذکره الشُّرُنْبُلَالی فی رسالته المسماة "بسعادة اهل الاسلام" **علامہ ابن حجر شافعی نے مصافحہ بعدِ نماز سے متعلق جواب دیتے ہوئے، اسے بدعت کہا ہے، ان کے اس جواب کی کوئی قابلِ قبول وجہ نہیں، اس لیے کہ مصافحہ بعدِ نماز بھی مصافحہ اول ملاقات ہے، کیونکہ سلام نماز کی حالت، حالتِ ملاقات ہے۔ اس لیے کہ جب مصلی نے تحریمہ باندھ لیا، تو انسانوں سے غیر حاضر اور خدا کی طرف متوجہ ہو گیا، پھر جب حقُّ اللہ کی ادائیگی سے فارغ ہوا، تو اس سے کہا گیا کہ اب اپنے کاموں اور مصالح کی طرف واپس ہو اور اپنے مسلمان بھائیوں کو سلام کر، کیونکہ تو اپنی غیر حاضری اور غیبت سے آرہا ہے، اسی لیے تو اپنے سلام میں لوگوں کی بھی نیت کرے گا، جیسے محافظ فرشتوں کی نیت کرے گا اور جب سلام کیا، تو مصافحہ اس کے لیے مندوب یا مسنون ہے، جیسے سلام۔ اسی طرح شیخ الاسلام، ہمارے مشائخ کے شیخ شمس الدین محمد بن سراج الدین حانوتی نے جواب دیا ہے، ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا تھا، تو انہوں نے فرمایا: علماء نے کافر سے تو نہیں، مگر مسلمان سے مصافحہ کو کسی خاص وقت کی کوئی قید لگائے بغیر مسنون ہونے پر نص فرمایا ہے، اس**

لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی، تو اس کے گناہ جھڑتے ہیں، اور دونوں پر کل سو (۱۰۰) رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ننانوے (۹۹) اس کے لیے، جس نے مصافحہ میں سبقت وپیش قدمی کی اور ایک اس کے دوسرے ساتھی کے لیے۔“

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ”جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملتے، پھر مصافحہ کرتے ہیں، تو جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت ہو جاتی ہے“ **پہلی حدیث کا مقتضیٰ ہے کہ مصافحہ مطلقاً جائز ومشروع ہو، خواہ نمازِ پنجگانہ، جمعہ وعیدین کے بعد ہو یا کسی اور وقت، اس لیے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مصافحہ کو کسی خاص وقت سے مقید نہ فرمایا اور حنفیہ کے نزدیک دلیلِ عام کا بھی وہی رتبہ ہے، جو دلیلِ خاص کا ہے، جبکہ دلیلِ عام حکم کو قطعی طور پر لازم کرنے والی دلیلوں سے کوئی تخصیص نہ ہوئی ہو، بلکہ وہ تو اس کے قائل ہیں کہ دلیلِ عام اتنی قوی ہوتی ہے کہ دلیلِ خاص کے معارض اور اس پر ترجیح یافتہ ہوا کرتی ہے، اور یہاں دلیلِ مصافحہ بھی عام ہے، اس لیے کہ حدیث میں کلمہ ”مَن“ ہے جو صِیَغِ عموم سے ہے۔**

یوں ہی ہمارے شیخ المشائخ علامہ مقدسی سے یہ حدیث منقول ہے: ”جس نے کسی مسلمان سے مصافحہ کیا اور بوقت مصافحہ (درود شریف) اللھم صل علٰی محمد وعلٰی آل محمد“ پڑھا، تو اس کے گناہوں سے کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔“ اس حدیث کا صیغہ بھی عموم کا صیغہ ہے۔ اسے علامہ شرنبلالی نے اپنے رسالہ ”سعادۃ الاسلام“ میں ذکر کیا ہے۔“[1]

(10)... بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ رب العزت ہے:

بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ رب العزت ہے، فعلِ خلق اور فعلِ ایجاد میں کسی

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج08، ص628 تا630، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نصوص کے عموم و اطلاق سے استدلال کرتے ہوئے، اس نظریہ کا اثبات فرمایا اور معتزلہ وغیرہ جو اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعالِ اختیاریہ کا خود خالق ہے، آیات کے عموم واطلاق سے ان کا رد فرمایا۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"فاقول(تو میں کہتا ہوں) اولاً کہ یہ آیات اپنے عموم پر ہیں، ان میں کسی تخصیص کا احتمال نہیں کہ اہلِ سنّت کے ائمہ کا اجماع ہے کہ یہ آیات اپنے عمومی اقتضاء پر جاری ہیں اور یہ کہ خلق کی صفت صرف اللہ تعالیٰ سے خاص ہے، اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے، تو لفظ کا، فی نفسہ محتملِ تخصیص ہونا، کیا مفید ہو سکتا ہے؟ جبکہ اجماع یہ ہے کہ یہاں تخصیص نہیں ہے اور اگر ہمارے اس بیان میں کسی کو شک ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے متقدمین ائمہ اہلِ سنّت میں سے کوئی نقل پیش کرے، جس میں یہ ہو کہ بندے کے لیے کبھی خلق و ایجاد میں دخل ہے، ان سے قبل کسی امام سے کوئی نقل پیش نہیں کی جا سکتی، حتی کہ قارظان واپس لوٹ آئیں اور علامہ قاری کے کلام کو تکلف سے اسی عدمِ تخصیص کے اجماع کی طرف راجع کیا جائے گا کہ یہ عزمِ صمیم بھی ان آیات کے عموم سے خارج نہیں ہے۔

ثانیا: لا حاجة بنا الی تخصیص النصوص و اثبات منصب افاضة الوجود لمن لا وجود له فی حد ذاته بل تندفع الحاجة علٰی وزان ماتزعمون اندفاعها ههنا باثبات تاثیر القدرة الحادثة فی شیئ دون الوجود کما هو مذهب الامام ابی بکر الباقلانی ان للانسان قدرة مؤثرة لکن لا فی الوجود بل فی حال زائدة علی الوجود وقد ارتضاه جمع من المحققین ذاهبین الی ان تاثیرها فی القصد والقصد حال لا موجود ولا معدوم ای هو من الامور الاعتباریة التی وجودها

بمناشیها والخلف فی الحال لفظی کما فی الفصول البدائع وغیرها، فلیس افاضتها خلقا فانه افاضة الوجود بل هو احداث والاحداث اهون من الخلق کما فی المسلم وفواتح وعلیه تدور کلمات الامام المحقق صدر الشریعة فی التوضیح والعلامة الشمس الفناری فی الفصول البدائع و تبعه العلامة قاسم تلمیذ المحقق ابن الهمام فی تعلیقاته علی المسایرة وغیرهم رحمهم الله تعالیٰ وهم مع تنوع منازعهم یرجعون الی ذلک الحرف الواحد ولم ار احد منهم یرضی بتخصیص العمومات، اللهم الا ما حکی عن الامام ابی المعالی علی الاضطراب فیه فتارة یثبته وتارة ینفیه کما فی الیواقیت عن الشیخ ابی طاهر القزوینی بل الکلام فی ثبوته عنه کما سیأتی، والمنقول عن الحنفیة فی کتب المتا خرین هو هذا القدر اعنی ان للقدرة الحادثة اثرا فی القصد اما انه خلق وایجاد او النصوص مخصصة فکلا لا یوجد هذا الا للمحقق وقد قال الامام صدر الشریعة فی التوضیح بعد ما استفرغ وسعه فی التوضیح والتنقیح فالحاصل ان مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ ینفون عن العبد قدرة الایجاد والتکوین فلا خالق ولا مکون الا الله تعالیٰ۔ ثانیاً: ہمیں ان نصوص کے عموم میں تخصیص کرنے اور ایجاد کا منصب، ایسی ذات کے لیے ثابت کرنے کی حاجت نہیں، جس کا اپنا وجود ذاتی نہیں ہے، بلکہ بندے کے مجبورِ محض کو دفع کرنے کی حاجت، ان کے اس اندفاع سے پوری ہو جاتی ہے، جس کو انہوں نے اپنے خیال میں اندفاع قرار دیتے ہوئے، یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تاثیر کے بعد بندے کی نئی تاثیر کا تعلق وجود میں نہیں، بلکہ اور چیز میں ہے، جیسا کہ امام ابو بکر باقلانی کا مذہب ہے کہ انسان کی قدرت مؤثر ہے، لیکن وجود میں نہیں، بلکہ وجود سے زائد ایک حال میں ہے، جس کو بہت سے محققین نے پسند کرتے ہوئے، کہا کہ انسان کی تاثیر کا تعلق قصد سے ہے اور یہ قصد ایک حال ہے، جو نہ موجود ہے اور نہ معدوم ہے، یعنی وہ ایک ایسی اعتباری چیز ہے جس کا وجود صرف اس کے منشاء کے تابع ہے اور اس حال میں اختلاف صرف لفظی ہے، جیسا کہ "الفصول البدائع

" وغیرہ میں ہے، تو اس قصد کو بروئے کار لانا بطورِ خلق نہیں ہوتا، بلکہ خلق اور وجود کا فیضان ہے، جس کو احداث کہاجاتاہے اور احداث کی شان خلق سے کمزور ہے، جیسا کہ " مسلم الثبوت" اور "فواتح الرحموت" میں ہے اور امام محقق صدرالشریعہ کا "توضیح" اور علامہ شمس فناری کا "الفصول البدائع" میں کلام اسی پر دائر ہے اور علامہ قاسم شاگرد رشید محقق ابن ہمام نے "المسایرۃ" پر اپنی تعلیقات میں اس کی اتباع کی ہے اور مذکور حضرات کے غیر رحمہم اللہ تعالیٰ باوجود یکہ وہ اپنے اپنے بیان میں مختلف ہیں، وہ سب اس ایک بات پر متفق ہیں، میں نے اس میں سے کسی کو بھی عمومات میں تخصیص پر راضی نہیں پایا، صرف امام ابو المعالی سے اس میں اضطراب منقول ہے کہ کبھی وہ تخصیص کو ثابت اور کبھی اس کی نفی کرتے ہیں، جیسا کہ "یواقیت" میں شیخ ابو طاہر قزوینی سے منقول ہے، بلکہ ان سے ثبوت میں کلام ہے، جیسا کہ آرہا ہے اور متأخرین کی کتب میں جو کچھ احناف سے منقول ہے، وہ صرف یہ ہے کہ انسان کی قدرتِ حادثہ کا اثر قصد میں ہے، لیکن یہ کہ وہ خلق وایجاد ہے یا آیات میں تخصیص ہے، اس کا ہرگز کہیں وجود نہیں، ہاں صرف محقق مذکور نے ذکر کیا ہے، جبکہ امام صدر الشریعہ نے "توضیح" میں مکمل توضیح و تنقیح سے فراغت کے بعد فرمایا کہ حاصل یہ ہے کہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ بندے کی قدرتِ خلق وایجاد اور تکوین کی نفی کرتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی خالق اور مکّون نہیں ہے۔"[1]

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج15، ص483تا485، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن لاہور۔

5 مبہمات کی صراحت اور مجملات کی تفصیل کرنا

اس سے مراد یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے ایسے اقوال جن میں ابہام اور اجمال ہوتا ہے یا وہ بظاہر مذہب کے کسی اصول کے معارض معلوم ہو رہے ہوتے ہیں، تو فقیہ اپنی بصیرت اور گہرے غور وخوض اور مذہب کے قوانین اور نظائر وجزئیات سے ان کی صراحت اور تفصیل بیان کر دیتا ہے، جس سے مجتہد کے قول کا محمل کھل کر سامنے آجاتا ہے اور جہاں بظاہر تضاد محسوس ہو رہا ہو، وہ بھی دور ہو جاتا ہے۔

مبہمات ومجملاتِ مجتہد کی تفصیل سے کتبِ فقہ بھری پڑی ہیں۔ ہدایہ وغیرہ کتبِ فقہ میں اس کی سینکڑوں امثلہ موجود ہیں۔ ہم نیچے کچھ امثلہ ذکر کرتے ہیں۔

(1)...وکالت کا مسئلہ:

مبہم ومجمل کی تفصیل کی ایک مثال وکالت سے متعلق ہے، جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "الجامع الصغیر" میں وکالت کا ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ایک ہزار درہم میں لونڈی خریدنے کا حکم دیا۔ خریداری کے بعد دونوں میں اختلاف ہو گیا: مؤکل کہتا ہے کہ تم نے پانچ سو میں خریدی ہے، جبکہ وکیل کا دعویٰ ہے کہ ہزار میں خریدی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو دو صورتوں میں تقسیم فرمایا۔(1) مؤکل، وکیل کو رقم دے چکا ہو۔(2) مؤکل نے ابھی تک وکیل کو رقم نہ دی ہو۔ اس دوسری صورت کا حکم یہ ارشاد فرمایا: وان لم یکن دفع الیہ الالف فالقول قول الآمر۔ یعنی اگر رقم نہ دی ہو، تو آمر یعنی مؤکل کا قول حلف کے ساتھ معتبر ہو گا۔

صاحب ہدایہ نے اس کی توضیح کرتے ہوئے، ایک صورت میں تو اس حکم کے اطلاق کو

برقرار رکھا، دوسری صورت میں فرمایا" **فمعناہ انھما یتحالفان** "امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہی حلف اٹھائیں گے ، کیونکہ مؤکل و وکیل میں تبادلہ حکمی ثابت ہوتا ہے اور تبادلہ کی صورت میں از روئے حدیث مستقل قانون موجود ہے کہ گواہیاں نہ ہونے کی صورت میں دونوں سے حلف لے کر عقد کو ختم کر دیا جاتا ہے، لہٰذا یہاں بھی اگر کسی کے پاس اپنے دعوی پر گواہیاں نہ ہوں، تو دونوں سے حلف لے کر اس معاملہ کو ختم قرار دیا جائے گا اور خریداری چونکہ وکیل نے کی ہے، لہٰذا وہ اسی پر نافذ ہوگی، مؤکل بری الذمہ ہوگا۔

اب بظاہر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مطلق تھا، محسوس یہ ہوتا تھا کہ صرف آمر کا قول معتبر ہے، لیکن مشائخ نے ائمہ سے منقول ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے، وضاحت کی کہ یہاں آمر و مامور دونوں سے حلف لینا مراد ہے۔ اسی طرح کی تفصیل کو مبہماتِ مجتہد کی تفصیل کرنا کہتے ہیں۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے: قال ومن دفع الی آخر الفا وامرہ ان یشتری بھا جاریۃ فاشتراھا فقال الآمر اشتریتھا بخمسمائۃ وقال المامور اشتریتھا بالف فالقول قول المامور ومراده اذا کانت تساوی الفا لانہ امین فیہ وقد ادعی الخروج عن عھدۃ الامانۃ والآمر یدعی علیہ ضمان خمسمائۃ وھو ینکر فان کانت تساوی خمسمائۃ فالقول قول الآمر لانہ خالف حیث اشتری جاریۃ تساوی خمسمائۃ والامر تناول مایساوی الفا فیضمن **قال وان لم یکن دفع الیہ الالف فالقول قول الآمر** اما اذا کانت قیمتھا خمسمائۃ فللمخالفۃ وان کانت قیمتھا الفا **فمعناہ انھما یتحالفان** لان المؤکل والوکیل فی ھذا ینزلان منزلۃ البائع والمشتری وقد وقع الاختلاف فی الثمن وموجبہ التخالف ثم یفسخ العقد الذی جری بینھما فیلزم الجاریۃ المامور "امام محمد

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا :" جس نے دوسرے کو ہزار دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اس سے ایک باندی خریدے، اس نے خرید لی۔ تو حکم دینے والے نے کہا کہ تم نے اسے پانچ سو میں خریدا ہے، جبکہ مامور نے کہا: "میں نے ہزار میں خریدا ہے۔" تو یہاں مامور کی بات تسلیم کی جائے گی، اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ شے ایک ہزار کے برابر ہو، کیونکہ وہ اس میں امین ہے اور وہ امانت کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کا مدعی ہے، اور آمر اس پر پانچ سو کے ضمان کا مدعی ہے اور وہ منکر ہے۔ لہٰذا اگر وہ چیز پانچ سو کے مساوی ہو، تو حکم دینے والے کا قول معتبر ہے، کیونکہ یہاں مامور نے حکم کے خلاف کیا کہ پانچ سو کے مساوی باندی خرید لایا، جبکہ حکم ہزار کے مساوی باندی لانے کا تھا، لہٰذا مامور پانچ سو کا ضامن ہو گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اگر مامور کو ہزار نہ بھی دیے ہوں، تو مخالفت امر کی وجہ سے پانچ سو قیمت ہونے کی صورت میں بھی آمر کا قول معتبر ہے، جبکہ ہزار قیمت ہونے کی صورت میں مراد یہ ہے کہ دونوں حلف اٹھائیں، کیونکہ مؤکل اور وکیل اس صورت میں بمنزلہ بائع و مشتری ہیں اور ثمن میں اختلاف واقع ہو گیا جس کا سبب تحالف ہے۔ پھر تحالف (باہمی قسم) کے بعد ان کے مابین ہونے والا عقد فسخ ہو جائے گا اور باندی مامور کو لازم ہو گی۔"[1]

(2)... آمر و مامور کے درمیان اختلافِ ثمن کی صورت میں قولِ معتبر کا تعین:

مذکورہ بالا مسئلہ سے اگلے مسئلہ میں بھی امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ مطلق ہیں "فالقول قول المامور" یعنی وکیل کا قول معتبر ہے۔ یہاں اگرچہ بعض مشائخ نے اس کے اطلاق کو برقرار رکھنے کا قول کیا، مگر امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں بھی تحالف

1... ہدایہ مع شرحہ البنایہ، ج 09، ص 258،259، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

کو ضروری قرار دیا۔ صاحب ہدایہ نے اظہر کہہ کر اسی کو ترجیح دی۔ یہ توضیح بھی مجتہد کے مجمل قول کی تفصیل کرنے کے زمرے میں آئے گی۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے: " چنانچہ ولو امره ان يشترى له هذا العبد ولم يسم له ثمنا فاشتراه فقال الآمر اشتريته بخمس مائة وقال المامور بالف وصدق البائع المامور فالقول قول المامور مع يمينه قيل لا تحالف ههنا لانه ارتفع الخلاف بتصديق البائع اذ هو حاضر وفي المسالة الاولى هو غائب فاعتبر الاختلاف وقيل يتحالفان لما ذكرناه وقد ذكر معظم يمين التحالف وهو يمين البائع والبائع بعد استيفاء الثمن اجنبي عنهما وقبله اجنبي عن المؤكل اذ لم يجز بينهما بيع فلا يصدق عليه فبقي الخلاف وهذا قول الامام ابي منصور وهو اظهر "اور اگر اُسے حکم دیا کہ وہ اس غلام کو خریدے اور اس کے لیے قیمت کا ذکر نہ کیا، مؤکل نے غلام خرید لیا۔ پھر آمر (حکم دینے والے) نے کہا: "میں نے اسے پانچ سو کے بدلے خریدا" اور مامور (حکم بجالانے والے) نے کہا: "ہزار کے بدلے۔ اگر بائع (بیچنے والے) نے مامور کی تصدیق کر دی، تو مامور کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں تحالف نہیں ہو گا، کیونکہ بائع کی تصدیق سے اختلاف ختم ہو گیا، اس لیے کہ وہ (بائع) حاضر ہے۔ جبکہ پہلے مسئلے میں وہ غائب تھا، تو اختلاف معتبر مانا گیا تھا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ دونوں حلف اٹھائیں گے، اس بنیاد پر جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ تحالف میں بڑی قسم بائع کی قسم ہے۔ بائع ثمن (قیمت) وصول کرنے کے بعد مؤکل اور وکیل دونوں سے اجنبی ہو جاتا ہے، اور ثمن کی وصولی سے پہلے وہ صرف مؤکل سے اجنبی ہوتا ہے، کیونکہ ان دونوں (مؤکل اور وکیل) کے درمیان بیع جائز نہیں ہوتی، لہٰذا اس کی تصدیق کو قبول نہیں کیا جائے گا اور یوں اختلاف باقی رہ جائے گا۔ یہ امام ابو

منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔[1]

(3)...جانور کو شراب پلانے کے حکم کی تفصیل:

ائمہ سے منقول مسئلہ یوں بیان ہوا کہ جانوروں کو بھی شراب پلانا، ناجائز ہے۔ اطلاق کا تقاضا یہ تھا کہ خواہ شراب جانور کے پاس لے جائی جائے یا جانور کو شراب کے پاس لے جایا جائے، دونوں صورتیں ناجائز ہیں، لیکن امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وضاحت کی کہ یہ حکم فقط اس صورت میں ہے کہ جب شراب جانور کے پاس لے جائی جائے، اگر جانور شراب کے پاس جائے، تو جائز ہے۔ یہ مجتہد کے مجمل قول کی تفصیل کے زمرے میں آئے گا۔

حاشیہ شلبی علی التبیین میں ہے: "وقال في الأصل أيضا أفتكره أن يسقي الدواب الخمر قال نعم؛ لأنه انتفاع بالخمر، وهو حرام وقال الفقيه أبو جعفر: إنما يكره إذا حمل الخمر إلى الدواب فإذا حمل الدواب إلى الخمر فلا بأس به قياسا على الميتة تحمل إلى الكلاب يكره وإذا دعيت الكلاب إليها فلا بأس بذلك. اهـ. غاية۔" اور "الاصل" میں بھی فرمایا کہ کیا جانوروں کو شراب پلانا مکروہ ہے؟ فرمایا: ہاں! کیونکہ یہ شراب سے فائدہ حاصل کرنا ہے، اور فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ اس صورت میں مکروہ ہے کہ جب شراب کو جانوروں کی طرف اٹھا کر لے جایا جائے، پس اگر جانوروں کو شراب کے پاس لایا جائے، تو اس میں حرج نہیں، مردار پر قیاس کرتے ہوئے کہ اگر مردار کو کتوں کے پاس اٹھا کر لے جایا جائے، تو مکروہ ہے اور اگر کتوں کو مردار کی طرف بلایا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[2]

1...۔ ہدایہ مع شرحہ البنایہ، ج 09، ص 259، 260، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

2...۔ حاشیۃ الشلبی مع التبیین، ج 6، ص 49، مطبوعہ: المطبعۃ الکبری الامیریہ، قاہرہ۔

(4)... تیمم کی تعریف پر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اعتراض اور امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جواب:

تنویر الابصار و در مختار میں تیمم کی تعریف یوں بیان ہوئی: "وشرعاً (قصد صعید مطهر واستعماله) حقيقة أو حكما ليعم التيمم بالحجر الأملس "پاک مٹی کا قصد کرنا اور اسے حقیقۃً یا حکماً استعمال کرنا، (حکماً کی قید اس لیے لگائی) تاکہ (تعریف) چکنے پتھر سے تیمم کرنے کو بھی شامل ہو جائے۔[1]

تیمم کی تعریف میں "حکماً" کی قید کے اضافہ پر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بطور اعتراض فرمایا: چکنے پتھر سے تیمم کرنے کی صورت میں اسے حقیقتاً استعمال کرنا ہی پایا جا رہا ہے، کیونکہ استعمال سے مراد یہ نہیں کہ اس کا کوئی جزء لے لیا جائے، بلکہ استعمال سے مراد یہ ہے کہ اسے آلہ تطہیر بنایا جائے اور اسے آلہ تطہیر بنایا گیا ہے، لہٰذا اس کا استعمال حقیقۃً ہی ہوا، ("او حکما" کے اضافہ کی حاجت نہیں تھی۔)

چنانچہ رد المحتار میں ہے: "إذ لا يخفى أن الحجر الأملس جزء من الأرض استعمل في العضوين للتطهير، إذ ليس المراد بالاستعمال أخذ جزء منها بل جعله آلة للتطهير، وعليه فهو استعمال حقيقة " مفہوم اوپر گزرا۔[2]

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چکنے پتھر سے تیمم کو حقیقی ہی شمار کیا۔ جبکہ امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "در مختار" کی عبارت کو درست قرار دیا اور اس کے

1... تنویر الابصار و در مختار مع رد المحتار، ج01، ص435،434، مطبوعہ کوئٹہ۔

2... رد المحتار، ج01، ص435، مطبوعہ کوئٹہ۔

ابہام کو کچھ اس طرح دور فرمایا کہ چکنے پتھر سے تیمم کرنے میں اس کا استعمال حکمی ہی ہے، حقیقی نہیں۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام پر فرمایا کہ جزوِ زمین کو آلہ تطہیر بنانا، مجمل وکلامِ خفی ہے، جس سے تیمم کی تعریف حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ اگر اسے مطلق رکھا جائے، تو اس میں یہ صورت بھی شامل ہو جائے گی کہ جب آدمی اپنے چہرے اور کلائیوں پر تطہیر کی نیت سے مٹی چھڑک لے کہ اس نے جزوِ زمین کو آلہ تطہیر تو بنالیا، مگر اس سے تیمم نہیں ہو گا، جب تک کہ چہرے اور کلائیوں پر مٹی پڑنے کے بعد ان پر بنیتِ تطہیر ہاتھوں سے مسح نہ کرلے۔ بلکہ صعید ہی کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حقیقی جنسِ زمین کا کوئی جز ہے اور حکمی وہ ہتھیلی ہے جو جنسِ زمین سے بنیتِ تطہیر مس کی گئی۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"اما جعله اٰلة للتطهير فكلام مجمل خفي لا يحصل به التعريف فانه باطلاقه يشمل ما اذا ذر التراب على وجهه وذراعيه بنية التطهير فقد جعله اٰلة له ولا يصير متيمّما مالم يمسح بيديه على وجهه وذراعيه بنية التطهير بعد وقوع التراب عليها۔۔۔بل الصعيد هو المنقسم الى الحقيقي وهو جزء من جنس الارض والحكمي وهو الكف الذي امس به على نية التطهير ۔ ملخصًا" مفہوم اوپر گزرا۔[1]

(5)...لباسِ شہرت کی تعریف:

شریعتِ مطہرہ میں لباسِ شہرت پہننے سے منع فرمایا گیا ہے، بلکہ ایسا لباس پہننا بہتر ہے، جو نفیس اور کمتر کے درمیان ہو۔ کتبِ فقہ میں لباسِ شہرت کی یہ تعریف بیان ہوئی کہ لباسِ شہرت سے مراد ایسا لباس ہے، جو انتہائی نفیس یا انتہائی خسیس (گھٹیا) ہو، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی یہی تعریف ذکر کی، مزید وضاحت نہیں کی، یوں اس کی تعریف میں اجمال باقی رہا کہ اگر کوئی

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج03، ص328، 327، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ایسالباس پہنتا ہے، جو نفیس اور کمتر کے درمیان ہو، لیکن عجیب وغریب ہیئت کا ہو، جس کی وجہ سے لوگوں کی نظریں اس کی طرف کھنچتی ہوں، تو کیا یہ بھی لباسِ شہرت میں آئے گا یا نہیں؟

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لباسِ شہرت کی مکمل تفصیل بیان کی اور فرمایا کہ لباسِ شہرت سے مراد ایسالباس ہے، جو اس قدر چمکیلا اور نادر ہو کہ اس پر انگلیاں اٹھیں یا بالقصد ایسا ناقص وخسیس لباس پہننا کہ لوگوں کی نگاہیں اس پر پڑیں، یونہی ایسالباس جس کی ہیئت عجیب و غریب ہو اور لوگوں کی نظروں کو اپنی طرف کھینچتی ہوں، تو وہ بھی لباسِ شہرت ہے۔

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:" وينبغي أن يكون (بين النفيس والدني ء) لئلا يحتقر في الدني ء، ويأخذه الخيلاء في النفيس. وعن النبي عليه الصلاة والسلام : "أنه نهى عن الشهرتين" وهو ما كان في نهاية النفاسة، وما كان في نهاية الخساسة "اور (لباس) ایسا ہونا چاہیے ،جو نفیس اور کمتر کے درمیان ہو، تاکہ کمتر لباس پہننے پر تحقیر نہ ہو اور نہایت قیمتی لباس پہننے پر تکبر پیدا نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو شہرتوں (کے لباس) سے منع فرمایا، یعنی وہ جو حد درجہ قیمتی ہو یا جو نہایت گھٹیا ہو۔[1]

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:"وهو ما كان في نهاية النفاسة أو الخساسة۔" (لباس شہرت سے مراد ایسالباس ہے) جو حد درجہ قیمتی ہو یا جو نہایت گھٹیا ہو۔[2]

فتاویٰ رضویہ میں ہے:"یوہیں لباس شہرت پہننا یعنی اس قدر چمکیلا نادر ہو، جس پر انگلیاں اُٹھیں اور بالقصد اتنا ناقص و خسیس کرنا بھی ممنوع ہے، جس پر نگاہیں پڑیں، یونہی ہرانوکھی اچنبھے کی ہیأت وضع تراش خراش کہ وجہ انگشت نمائی ہو۔۔۔" فی ردالمحتار عن الدر

1...۔ الاختیار لتعلیل المختار، ج4، ص177، مطبوعہ مطبعۃ الحلبی، قاہرۃ۔

2...۔ ردالمحتار، ج9، ص579، مطبوعہ کوئٹہ۔

المنتقی نهی عن الشهرتین وهو ما کان فی نهایة النفاسة اوالخساسة، اقول: ولا یختص بهما بل لو کان بینهما و کان علی هیأة عجیبة غریبة توجب الشهرة وشخوص الابصار کان لباس شهرة قطعا" ردالمحتار میں "الدر المنتقٰی" سے منقول ہے کہ دو شہرتوں سے منع فرمایا، ایک حد سے زیادہ نفاست اور دوسری حد سے زیادہ رسوائی سے، **اقول: (میں کہتا ہوں) ان دونوں سے خاص نہیں بلکہ عجیب وغریب حالت بنانا، جو شہرت کا باعث ہو اور لوگوں کے لیے نظارہ بنے، وہ قطعاً سب شہرت کا لباس ہے۔**"[1]

(6)...مسجدِ محلہ میں جماعتِ اولیٰ ہو جائے، تو جماعتِ ثانیہ کا حکم:

مسجدِ محلہ میں جماعتِ اولیٰ ہو گئی، اس کے بعد چند لوگ آئے، تو کیا وہ جماعتِ ثانیہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے حوالے سے امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "اذان کا اعادہ کیے بغیر جماعتِ ثانیہ بالاتفاق مباح ہے، جس کی اباحت پر ہمارے جمیع ائمہ کا اجماع ہے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ظاہر الروایہ اس کے خلاف ہو۔" لیکن ظہیر یہ میں ہے کہ "ایسی صورت میں ظاہر الروایہ یہ ہے کہ یہ لوگ تنہا تنہا نماز ادا کریں۔"

ظہیر یہ کی روایت کو نقل کر کے امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "ظہیر یہ کی روایت محتمل ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جماعتِ ثانیہ کروانا، ان پر واجب نہیں ہے، یہ مطلب نہیں کہ واجب ہے کہ بغیر جماعت کے پڑھیں، کیونکہ جنہوں نے جواز پر اجماع نقل فرمایا، ان کی عبارات محکم ہیں اور محتمل کو محکم کی طرف پھیرا جاتا ہے، نہ کہ محتمل کی وجہ سے محکم کو رد کر دیا جاتا ہے اور اگر بالفرض ظہیر یہ کی عبارت، اجماع کے خلاف میں نصِ مفسر نا قابلِ تاویل

1... فتاویٰ رضویہ، ج 23، ص616، 615، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ہوتی، تو بوجہِ غرابت یہی نا قابلِ قبول ہوتی، نہ کہ اجماع والی محکم روایات۔"

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "ولہٰذا کتبِ مذہب طافحہ ہیں کہ بے اعادہ اذان مسجدِ محلہ میں جماعتِ ثانیہ بالاتفاق مباح ہے، اس کے جواز واباحت پر ہمارے جمیع ائمہ کا اجماع ہے۔۔۔ تو کیونکر ممکن کہ ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہو، ظہیر یہ میں کہ تنہا پڑھنا لکھ کر اسے ظاہر الروایہ بتایا۔ **اقول:** واجب کہ اس سے مراد نفیِ وجوبِ جماعت ہو، نہ وجوبِ نفیِ جماعت کہ اجماع کے خلاف پڑے اور یہ ضرور حق ہے، اس کا حاصل اس قدر کہ جس طرح جماعتِ اولیٰ چھوڑ کر تنہا پڑھنا، ناجائز و گناہ تھا، یہاں ایسا نہیں، یہ الگ الگ پڑھ لیں، وہ نہیں پڑھ سکتے تھے، عقل و نقل کے قاعدہ متفق علیہا سے واجب ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف رد کریں، نہ کہ محکم کو محتمل سے رد کریں، تو عبارتِ ظہیر یہ سے ردِ نقولِ متظافرہ اجماع ناممکن ہے، بلکہ اگر وہ دوسرے معنی صحیح نہ رکھتی، نہ اصلاً محتمل، بلکہ خلافِ اجماع میں نصِ مفسر ہوتی، تو حسبِ قاعدہ قطعیہ نقولِ عامہ کے خلاف خود ہی بوجہِ غرابت نامقبول ٹھہرتی، نہ کہ بالعکس۔ ملخصاً"[1]

(7)... جس حلال جانور کو شراب پلائی گئی اور فوراً ذبح کر دیا، تو کیا حکم؟

جس حلال جانور کو شراب پلائی گئی اور فوراً ذبح کر دیا ہو، تو کیا اسے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ " حل أكله ويكره " یعنی کا اس کا کھانا حلال اور مکروہ ہے۔

تنویر الابصار وغیرہ میں اسے مطلقاً مکروہ قرار دیا گیا ہے، اب اس کراہت سے کون سی کراہت مراد ہے؟

---

1 ... فتاویٰ رضویہ ج، 07، ص 153 تا 155، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

علامہ طحطاوی اور ان کی اتباع میں علامہ شامی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ اس کراہت سے مراد کراہتِ تحریمی ہے۔ علامہ طحطاوی نے اس پر یہ دلیل قائم کی کہ جب مطلق کراہت کا حکم دیا جائے، تو اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے، خصوصاً حظر و اباحت کے باب میں۔

مذکورہ تحقیق کی بنیاد پر یہ اشکال قائم ہوتا ہے، جسے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی بیان فرمایا کہ اگر اس جانور کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے، تو ایسا جلالہ جانور جو نجاست و غیر نجاست دونوں کھاتا ہے اور اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا یا جس بکری کے بچے کو خنزیر کا دودھ پلایا گیا، اس کا کھانا بھی حلال نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ اس کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ سوال قائم کیا اور اس کا جواب نہیں دیا۔ یوں یہ مسئلہ مبہم ہی رہا۔

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتبِ فقہ میں مذکور "یکرہ" پر کلام کرتے ہوئے، اولاً "ہندیہ" سے ایک جزئیہ نقل کیا، جس میں صراحت کی گئی تھی کہ ایسے جانور کا گوشت کھانا مکروہ نہیں ہے، لہٰذا جب مکروہ نہیں، تو تحریمی و تنزیہی کی تشریح کی بھی حاجت نہیں۔ پھر اس کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا کہ یہی ظاہر الوجہ ہے، ساتھ "فلیتامل" بھی فرمایا۔

ثانیاً: علامہ طحطاوی و علامہ شامی کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کراہت تسلیم کر بھی لی جائے، تب بھی ظاہر یہ ہے کہ اس کراہت سے کراہتِ تنزیہی مراد ہے اور علامہ طحطاوی کی دلیل درست نہیں، کیونکہ انہوں نے کراہت کے مطلق ہونے سے استدلال کیا، حالانکہ یہاں کراہت مطلق نہیں، بلکہ لفظِ حلال کے ساتھ مقید ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ حلال کبھی مکروہ تحریمی نہیں ہو سکتا، کیونکہ مکروہ تحریمی گناہِ صغیرہ ہے اور گناہِ صغیرہ کو کوئی بھی حلال نہیں

کہتا۔

پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تائید میں "خانیہ" کی عبارت نقل کی جس میں کراہت کا ذکر ہی نہیں تھا، بلکہ فقط حلال ہونے کا بیان تھا، عبارت ذکر کر کے نقل فرمایا کہ اگر یہ مکروہ تحریمی ہوتا، تو صاحبِ خانیہ کا فقط حلال کہہ کر آگے گزر جانا درست نہ ہوتا۔

اس تحقیق سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشکال کا جواب بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح وہ جلالہ جانور جس کا گوشت متغیر نہ ہوا ہو یا جس بکری کے بچے کو خنزیر کا دودھ پلایا گیا ہو، اس کا گوشت حلال ہے، اسی طرح جس جانور کو شراب پلا کر فوراً ذبح کر دیا گیا ہو، اس کا گوشت بھی حلال ہے، لہٰذا وجہِ فرق ڈھونڈنے کی حاجت نہیں ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: " ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير لأن لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكا لا يبقى له أثر. (ولو سقي ما يؤكل لحمه خمرا فذبح من ساعته حل أكله ويكره) زيلعي وصيد وشرح ووهبانية "اور اگر جلالہ جانور نجاست اور اس کے علاوہ دیگر چیزیں کھائے، اس طرح کہ اس کا گوشت بدبودار نہ ہو، تو جلالہ جانور حلال ہو گا، جس طرح بکری کے اس بچے کو کھانا حلال ہے، جسے خنزیر کے دودھ سے غذا دی گئی ہو، کیونکہ اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور اسے جو غذا دی گئی وہ ہلاک ہو چکی ہے، اس کا اثر باقی نہ رہا۔ اور اگر کسی حلال جانور کو شراب پلائی گئی اور فوراً ذبح کر دیا، تو اس کا کھانا حلال اور مکروہ ہے۔[1]

تنویر الابصار کی عبارت " حل أكله ويكره " کے تحت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

1 ... تنویر الابصار و در مختار مع رد المحتار، ج9، ص563، مطبوعہ کوئٹہ۔

فرماتے ہیں:"قد علمت : ان الكراهة اذا اطلقت لا سيما في كتاب الحظر تنصرف الى التحريم۔" تحقیق تو جان چکا ہے کہ جب مطلق کراہت کا ذکر کیا جائے، خصوصاً حظر واباحت کے باب میں، تو اس کراہت کو تحریمی کی طرف پھیرا جاتا ہے۔[1]

رد المحتار میں ہے:" ظاهره أن الكراهة تحريمية، وعليه ينظر الفرق بينه وبين الجلالة التي تأكل النجاسة وغيرها والجدي "اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، اور اس پر غور کیا جائے گا کہ اس میں اور جلالہ میں کیا فرق ہے جو نجاست وغیرہ کھاتا ہے اور بکری کے بچے میں کیا فرق ہے۔[2]

تنویر الابصار کی عبارت" حل أكله ويكره " کے تحت امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:"لكن في الهندية كتاب الكراهية الباب 11 عن القنية ما نصه :"لو شربت الشاة خمرا فذبحت من ساعة لا يكره وان مكثت تحبس بمنزلة الدجاجة المخلاة"اھ ولا شک انه ظاهر الوجه فليتامل ۱۲۔"

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول " أن الكراهة تحريمية " کے تحت فرماتے ہیں:"تبع فيه الطحطاوي حيث قال " قد علمت : ان الكراهة اذا اطلقت لا سيما في كتاب الحظر تنصرف الى التحريم "اھ ۔ وقد كتبنا على هامشه :"ان الكراهة المقيدة بالحل غير مطلقة" اقول:بل ظاهره انها تنزيهية فان المكروه تحريما لا يوصف بالحل ، كيف ! وهو من الصغائر ولا شيء من الذنوب حلالا ، ومما يؤيد ذالک قول "الخانية" الشاة او الابل اذا سقى خمرا فذبحت من ساعته حل اكلها اھ فانظر كيف اقتصر على الحل !ولو يكره تحريما لما ساغ

1...۔ حاشیۃ الطحطاوی، ج11، ص54، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

2...۔ رد المحتار، ج9، ص563، 564، مطبوعہ کوئٹہ۔

الاقتصار علیه البتة، و علی هذا فلا حاجة الی طلب الفرق بینه و بین جلالة خلطت والجدی ۱۲ وقد نقل مثل هذه العبارة فی مسئلة الجدی کما قدمناه عن "الهندیة" عن "القنیة" عن محمد رحمة اللہ تعالیٰ ۱۲ "مفہوم اوپر گزرا۔[1]

(8)...اگر کسی عورت نے بچے کو اپنا دودھ پلایا اور اس میں پانی یا دوا کو شامل کر دیا، تو کیا حکم؟

مبہم و مجمل کی تفصیل کی ایک مثال یہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے رضاعت کا ایک مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر کسی عورت نے بچے کو اپنا دودھ پلایا اور اس میں پانی یا دوا شامل کر دیا، تو دودھ کے غالب ہونے کی صورت میں رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ غلبے کا اعتبار دودھ کی ذات کے متغیر ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے ہو گا۔ دودھ کی ذات کا متغیر ہونا، یہ مجمل تھا، تو امام اہل سنت، الشاہ امام احمد رضا خان نے اس کی تفصیل فرمادی کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہی راجح ہے اور اس قول کا معنیٰ یہ ہے کہ دودھ کا دودھ ہونے سے خارج ہو جانا، اس طرح کہ دودھ میں موجود سیلان یا قوتِ تغذی ختم ہو جائے۔

چنانچہ جد الممتار میں ہے: "اقول: نص الخانیة: (فسر محمد رحمه اللہ تعالیٰ فقال: ان لم یغیر الدواء اللبن ثبت الحرمة، وان غیر لا تثبت، وقال ابو یوسف رحمه اللہ تعالیٰ: ان غیر طعم اللبن ولونه لا یکون رضاعا، وان غیر احدهما دون الاخر یکون رضاعا۔۔۔۔۔فتحرر بحمد اللہ تعالیٰ: ان الراجح قول محمد وان معناه خروج اللبن عن لبنیته، وان خروجه عنها بزوال السیلان او انکسار قوة التغذی۔ ملخصًا" میں کہتا ہوں کہ خانیہ میں صراحت کی کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے غلبہ کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ اگر دوا دودھ کو متغیر نہ کرے، تو حرمت ثابت ہو جائے گی

---

1 ... جد الممتار، ج7، ص9،8، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ کراچی۔

اور اگر دودھ کو متغیر کردے، تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دوا دودھ کا ذائقہ اور رنگ تبدیل کردے، تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور اگر دونوں میں سے صرف ایک وصف تبدیل ہوا، تو رضاعت ثابت ہوجائے گی۔۔۔بحمد اللہ واضح ہوگیا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہی راجح ہے اور اس قول کا معنی یہ ہے کہ دودھ کا دودھ ہونے سے خارج ہوجانا، اس طرح کہ دودھ میں موجود سیلان یا قوت تغذی ختم ہوجائے۔[1]

(9)...اگر کوئی عورت مسلمان ہوجائے اور اس کا شوہر کافر ہو، تو عدت کا حکم:

مجمل کی تفصیل کی ایک مثال یہ ہے کہ عدت کے مسائل میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جو عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائے، اس پر عدت لازم نہیں۔

جیسا کہ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:"(ومن هاجرت الينا)مسلمة (بانت بلا عدة)فيحل تزوجها۔ ملخصاً"جو عورت دار الحرب سے مسلمان ہو کر ہجرت کر کے ہماری طرف آئے، وہ بغیر عدت کے بائنہ ہوجائے گی اور اس کے لیے نکاح کرنا حلال ہوگا۔"[2]

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:"قوله:(ومن هاجرت الينا)۔۔۔اذا كانت المهاجرة المراة وقعت الفرقة فلا عدة عليها عند ابی حنيفة۔"ماتن کا قول کہ جو عورت دار الحرب سے ہماری طرف ہجرت کر کے آئے۔۔۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب ہجرت کرنے والی عورت ہو، تو اس صورت میں زوجین کے مابین فرقت واقع ہوجائے گی اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

1...۔ جد الممتار، ج04، ص661 تا663، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

2...۔ تنویر الابصار ودر مختار مع رد المحتار، ج04، ص361، مطبوعہ کوئٹہ۔

نزدیک اس پر کوئی عدت نہیں ہو گی۔[1]

تو اب ہندوستان میں یہ مسئلہ پیش آیا کہ اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہو، تو اب اس پر عدت واجب ہو گی یا نہیں؟ کیونکہ یہاں ہجرت کی صورت تو نہیں پائی جارہی، جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مہاجرہ کے متعلق ہے۔

تو اس پر امام اہلِ سنت نے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کا منشاء یہ ہے کہ جو حربیہ عورت اسلام لائے، تو اس پر عدت نہیں، چاہے مہاجرہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ عدت نکاح سابق کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے واجب کی گئی ہے، جبکہ حربی کے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں، ہمارے بلاد کے کفار بھی چونکہ حربی ہیں، تو ان کی بھی جو عورت اسلام لائے گی، اس پر اصلاً عدت نہیں ہو گی۔ صرف ان کے اسلام لانے کے انتظار میں کچھ وقت ٹھہرے گی، اس کے علاوہ کوئی عدت واجب نہیں ہو گی۔

چنانچہ جد الممتار میں ہے: "إذا أسلمت كافرة في "الهند" فلا يجري فيها التعليل بالهجرة، فهل يجب عليها العدة؟۔۔۔ الجواب: لا؛ لأنّ الدار وإن كانت دار الإسلام فكفارها حربيون، وقد قال في "الهداية" في تعليل مسألة المهاجرة: (ولأبي حنيفة أنها أي: العدة أثر النكاح المتقدم وجبت إظهاراً لخطره، ولا خطر لملك الحربي۔۔۔) فهذا حكم عام منشأه الحربية لا الهجرة فيشمل كفّار بلادنا، فلا عدّة لهم أصلاً على من أسلمت من أزواجهم، وإنما يتربصن التربّص المذكور لانتظار إسلامه۔ ملخصًا۔ "ہندوستان میں اگر کوئی کافر عورت اسلام لائے، تو اس میں ہجرت والی علت متحقق نہیں، تو کیا اس پر عدت واجب ہو گی؟۔۔۔ اس کا جواب ہے کہ اس پر عدت واجب نہیں، کیونکہ ہندوستان اگرچہ دار الاسلام ہے، لیکن یہاں کے کفار

1۔۔۔ رد المحتار، ج04، ص361، مطبوعہ کوئٹہ۔

حربی ہیں اور ہدایہ میں مہاجرہ کے مسئلہ کی علت بیان کرتے ہوئے کہا کہ عدت نکاح سابق کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے واجب کی گئی ہے۔ جبکہ حربی کے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں، لہٰذا یہ حکم عام ہے، اس کا منشاء حربیہ ہے، نہ کہ ہجرت، لہٰذا ہمارے بلاد کے کفار کو بھی شامل ہو گا، تو ان کی بھی جو عورت اسلام لائے گی اس پر اصلاً عدت نہیں ہو گی۔ صرف ان کے اسلام لانے کے انتظار میں کچھ وقت ٹھہرے گی، اس کے علاوہ کوئی عدت واجب نہیں ہو گی۔[1]

(10)... مطلق پانی میں اگر مائع چیزیں شامل ہو جائیں، تو اس سے کن صورتوں میں وضو ہو جاتا ہے اور کن میں نہیں؟ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کی توضیح:

مطلق پانی میں اگر مائع چیزیں شامل ہو جائیں، تو اس سے کن صورتوں میں وضو ہو جاتا ہے اور کن میں نہیں؟ اس بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جو مذہب ہے، اس میں کافی ابہام ہے، جس کی وجہ سے شروحات میں مختلف توجیہات اور توضیحات کی گئیں ہیں، بعض نے کہا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رنگ اور ذائقہ تبدیل ہونے کے ساتھ ساتھ بو کا بھی اعتبار کرتے ہیں کہ اگر کسی مائع چیز کے شامل ہونے سے پانی کی بو بھی تبدیل ہو جائے، تو اس صورت میں وضو نہیں ہو گا، بعض نے کہا کہ اگر کسی چیز کے ملنے سے پانی کی رقت سلب ہو جائے، تو اب قابل وضو نہ رہے گا، اور بعض نے کہا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غلبہ غیر میں اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں، رنگ کا نہیں، بعض نے کہا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رنگ اور بو کا بالکل بھی اعتبار نہیں کرتے، محض غلبہ اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں، مزید یہ کہ اگر کسی مائع چیز کے شامل ہونے سے رنگ اور ذائقہ ظاہر نہ ہو، تو اب اس سے وضو جائز ہونے یا نہ ہونے میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کس چیز کا اعتبار

1... جد الممتار، ج04، ص642، 643، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

کرتے ہیں، اس میں بھی ابہام تھا، الغرض اس حوالے سے مزید توجیہات بھی بیان کی گئی ہیں، اگر ان توجیہات کی تفصیل اور ضعف کو بیان کرنے جائیں، تو کلام کافی طویل ہو جائے گا۔ امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں ان توجیہات کا مفصل جائزہ لیتے ہوئے، ان کے ضعف کو واضح کیا اور "بدائع" میں مذکور توجیہ کو پسند فرمایا۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی نہایت خوبصورت وضاحت بھی اسی توجیہ کے مطابق بیان فرمائی۔ لہٰذا ہم اختصار کے پیشِ نظر صرف اسی راجح توجیہ کو نقل کر رہے ہیں۔

صاحب بدائع نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس میں صرف رنگ کا نہیں، بلکہ ذائقہ کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور ان دونوں میں ترتیب کے قائل ہیں کہ پہلے رنگ کا اور پھر اس کے بعد ذائقہ کا اعتبار کرتے ہیں اور اگر یہ دونوں نہ پائے جائیں، تو پھر وہ غلبہ میں اجزاء کی طرف حکم کو منتقل کرتے ہیں اور بُو کا اعتبار نہیں کرتے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: " وبالجملة قد استقر عرش التحقيق ولله الحمد على كل مانص عليه الامام ملك العلماء في البدائع ان خلاف محمد انما هو في المائع وانه لا يقتصر على اللون بل يعتبر الطعم وايضا وانه يرتب بينهما فيقدم اللون ثم الطعم وانه ينقل الحكم بعدهما الى الاجزاء ولا يعتبر الريح هكذا ينبغي التنقيح والحمدلله على تواتر الأئه وافضل صلاته وسلامه على سيد انبيائه وآله وصحبه وابنه واحبائه۔" خلاصہ کلام یہ ہے کہ الحمدللہ عرشِ تحقیق اس پر مستقر ہوا، جس کو امام ملک العلماء نے بدائع میں ذکر کیا ہے کہ امام محمد کا اختلاف صرف مائع چیز کے بارے میں ہے اور یہ کہ وہ اس میں صرف رنگ نہیں، بلکہ ذائقہ کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور ان دونوں میں ترتیب کے قائل ہیں، پہلے رنگ کا اور پھر اس کے بعد ذائقہ کا اعتبار کرتے ہیں

اور اگر یہ دونوں نہ پائے جائیں، تو پھر وہ غلبہ میں اجزاء کی طرف حکم کو منتقل کرتے ہیں اور بُو کا اعتبار نہیں کرتے، یہی تنقیح مناسب ہے، انعامات کے ہجوم پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور صلوٰۃ وسلام تمام انبیاء کے سردار پر اور ان کی آل واصحاب پر، آمین۔

وانا اقول: وبربی ثم بنبیه استعین جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیه واٰلہٖ وصحبه اجمعین کان محمدا یقول رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رفع الحدث منوط شرعا باستعمال الماء المطلق ومطلقه هو الذی یتبادر الی الافهام باطلاق لفظ الماء ولاشک انها حقیقة معروفة مشهورة معلومة لکل احد لاتلتبس ولایحتاج احد فی ادراکها الی استجلاب العلم من خارج باخبار غیره ان هذا ماء فلایراد بمطلقه الا ماشأنه هذا ولاشک ان الماء اذا صار علی لون مائع اٰخر یرتاب الناظر فیه ولایقطع انه ماء الا اذا اخبره من یعرفه من بدء امره واللون اول مدرک فان لم یغلب واخذه فی فمه للمضمضة فوجده علی طعم مائع اٰخر یاخذه من الارتیاب ماکان یاخذ فی متغیر اللون بالنظر فخرجا عن الماء المطلق اما الریح فربما تکتسب بالمجاورة من دون خلط شیئ فماصح لونه وطعمه لایرتاب المستعمل فی کونه ماء بمجرد تغیر فی ریحه فانکان فیه امتزاج غیره مساویا اوغالبا لایقف علیه المستعمل الا بالاخبار من خارج وحینئذ یعرف انه لیس بماء فالمائیة لم یتوقف ادراکها علی الخارج بل عدمها۔ ”اور میں کہتا ہوں، اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہ اجمعین کی امداد سے، کہ امام محمد رضی اللہ عنہ گویا یوں فرماتے ہیں کہ رفعِ حدث کے لیے شرعاً مطلق پانی کا استعمال ضروری ہے، اور مطلق پانی وہ ہے، جو پانی کا لفظ بولنے پر ذہن میں آئے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جو مشہور ومعروف اور ہر ایک کو معلوم ہے، اس کو جاننے کے لیے کسی کو غیر سے سمجھنے کی ضرورت پیش

نہیں آتی کہ وہ یہ بتائے کہ پانی یہ ہے۔ لہٰذا مطلق پانی سے مراد یہی عام فہم حقیقت ہے۔ لہٰذا جب کسی دوسری بہنے والی چیز کا رنگ پانی میں ظاہر ہوتا ہے، تو دیکھنے والے کو ضرور تردّد ہوتا ہے کہ کیا یہ پانی ہے؟ یا کیا ہے؟ تو جب کوئی دوسرا باخبر شخص بتائے، تو اس کا تردّد دور ہوتا ہے، ورنہ نہیں، پانی میں سب سے پہلے رنگ کا علم ہوتا ہے اور اگر رنگ پانی پر غالب نہ ہو، تو پھر جب کُلی کرنے کے لیے پانی منہ میں ڈالا جائے، تو اس وقت دوسری مائع چیز کا ذائقہ محسوس ہونے لگتا ہے، پھر اس کو تردّد ہوتا ہے، جو کہ دیکھنے پر رنگت کی تبدیلی سے نہ ہوا تھا، پس یہ رنگ کی وجہ سے تردّد اور ذائقہ کی وجہ سے تردّد والا پانی، مطلق پانی سے خارج ہوگا، جہاں تک بُو کا تعلق ہے، تو وہ قُرب وجوار میں پڑی ہوئی، چیز کی خوشبو کا اثر ہو سکتا ہے، ضروری نہیں کہ پانی میں مخلوط کسی چیز کی وجہ سے بُو آرہی ہو، رنگ اور ذائقہ اگر درست ہو، تو استعمال کرنے والے کو کوئی تردّد پیدا نہیں ہوتا کہ یہ خالص پانی ہے، پس اگر پانی میں ریح کے بغیر کسی دوسری شیئ کی ملاوٹ ہو، برابر یا غالب طور پر ہو، تو استعمال کرنے والے کو تردد ہوگا، مگر جب اسے کوئی خارج سے خبر دے، تو اس وقت وہ جانے گا، یہ پانی نہیں ہے۔[1]

اس کے متعلق امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تحقیق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "اقول: اس قول کے نقل میں عبارات مختلف آئیں اور اشہر یہ ہے کہ پانی میں اگر کوئی بہتی ہوئی چیز ملے، تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اوّلاً رنگ کا اعتبار فرماتے ہیں، اگر اُس کا رنگ پانی پر غالب آجائے، قابلِ وضو نہیں، ورنہ ہے۔ اور جس کا رنگ پانی کے خلاف نہ ہو، اس میں مزے کا لحاظ فرماتے ہیں، اس کا مزہ غالب ہو، تو وضو ناجائز، ورنہ جائز۔ اور جس کا مزہ بھی مخالف نہ ہو، اس

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج03، ص162 تا166، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

میں اجزاء پر نظر فرماتے ہیں، اگر برابر یا زیادہ مقدار پر پانی میں مل جائے، تو وضو صحیح نہیں ،ورنہ صحیح۔[1]

(11)...حضانت کے مسئلہ میں مبہم اقوال کی توضیح:

مبہمات کی صراحت کرنے کی ایک مثال حضانت کا مسئلہ ہے کہ جس میں دو مختلف قول تھے، ایک قول یہ تھا کہ حضانت حاضنہ کا حق ہے، لہٰذا اسے پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس قول کو فقہائے کرام ظاہر الروایہ سے تعبیر کر رہے تھے، اور دوسرا قول تھا کہ یہ بچے کا حق ہے، لہٰذا پرورش کرنے پر مجبور کیا جائے گا، یہ قول بھی اصلِ مذہب کی ترجمانی میں تھا، ان دونوں اقوال میں ابہام ہونے کی وجہ سے بظاہر دونوں قول مختلف نظر آرہے تھے اور کسی ایک قول کو ترجیح دینا مشکل تھا، لہٰذا علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس ابہام کو دور کرتے ہوئے، ان دونوں اقوال کی بہترین توضیح فرمائی اور ان میں تطبیق بیان فرمادی اور امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توضیح و تطبیق کو برقرار رکھا، بلکہ اس کی توضیح میں مزید افادہ فرمایا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں اقوال کے درمیان تطبیق اور توضیح کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ جس عورت کا حق پرورش ہو، اگر اس کے علاوہ بھی کوئی عورت پرورش کرنے والی موجود ہو، وہ پرورش کے لیے تیار بھی ہو اور صاحبِ حق ہی پرورش کے لیے متعین نہ ہو، تو پہلے قول کے مطابق صاحبِ حق کو پرورش پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر صاحبِ حق ہی پرورش کے لیے متعین ہو، کوئی دوسری عورت پرورش کرنے والی نہ ہو یا وہ کرنے پر تیار نہ ہو، تو صاحبِ حق کو

---

1 ...۔ فتاویٰ رضویہ، ج03، ص141، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

پرورش پر مجبور کیا جائے گا۔ دونوں اقوال میں ایسی کوئی وضاحت نہیں تھی کہ کس صورت میں حاضنہ کو مجبور کیا جائے گا؟ اور کس صورت میں نہیں؟ تو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو صورتیں بیان فرما کر اس ابہام کو دور کر دیا۔

چنانچہ طحطاوی علی الدر میں ہے:"قوله:(ولا تجبر من له الحضانة الخ)قال فی البحر:اختلفوا فی وجوب حضانة علی الام و نحوها من النساء وفی جبرها اذا امتنعت فصرح فی الهداية بانها لا تجبر لانها عست ان تعجز عن الحضانة و صححه فی التبيين و فی الولوالجية:وعليه الفتوی و فی الواقعات:والفتوی علی عدم الجبر لوجهين احدهما:انها ربما لا تقدر علی الحضانة والثانی:ان الحضانة حق الام ولا تجبر علی استيفاء حقها وفی الخلاصة:و قال مشائخنا لا تجبر الام عليها اه۔۔۔وذكر الفقهاء الثلاثة ابو الليث والهندوانی وخواهرزاده انها تجبر علی الحضانة و تمسک لهم فی فتح القدير بما فی الكافی للحاكم الشهيد الذی هو جمع كلام الامام محمد لو اختلعت علی ان تترک ولدها عند الزوج فالخلع جائز والشرط باطل لان حق الولد ان يكون عند امه ما كان اليها محتاجاً،زاد فی المبسوط فليس لها ان تبطله بالشرط فهذا يدل علی ان قول الفقهاء الثلاثة هو جواب ظاهر الرواية۔۔۔والحاصل ان الترجيح قد اختلف والاولی الافتاء بقول الفقهاء الثلاثة اه قلت:كيف يفتی به وقد اطبقت فتوی المشايخ علی الاول و كثيراً ما يعدلون عن ظاهر الرواية الی الافتاء بغيره؟ملخصا"مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول:(اور جس کو پرورش کا حق ہے،اسے مجبور نہیں کیا جائے گا الخ)بحر الرائق میں ہے:عورت (مثلاً ماں) پر حضانت کے وجوب اور اگر وہ انکار کرے، تو اسے مجبور کرنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ پس ہدایہ میں یہ بات صراحت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے کہ ماں کو حضانت پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حضانت کی ذمہ داری پوری نہ کر سکے۔ اسی کو "تبیین الحقائق" میں صحیح قرار دیا گیا ہے، اور "فتاویٰ ولوالجیہ" میں ہے کہ

اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح "الواقعات" میں ہے کہ فتویٰ عدمِ جبر پر ہے، اس کی دو وجہیں ہیں: پہلی وجہ یہ کہ عورت کبھی حضانت پر قادر نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ یہ کہ حضانت ماں کا حق ہے، اور اپنے حق کے استیفاء پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح "خلاصۃ الفتاویٰ" میں ہے کہ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے: ماں کو حضانت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔۔۔ البتہ تین فقہاء ابو اللیث، ہندوانی اور خواہر زادہ (رضی اللہ تعالی عنہم) نے فرمایا: عورت (ماں) حضانت (پرورش) پر مجبور کی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فتح القدیر میں موجود امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے، جو امام حاکم شہید کی مُرتَّبہ "الکافی" سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت اس شرط پر خلع کرلے کہ وہ اپنے بچے کو شوہر کے پاس چھوڑ دے گی، تو خلع جائز ہو گا، لیکن شرط باطل ہو گی، کیونکہ بچے کا حق یہ ہے کہ جب تک اسے ماں کی ضرورت ہے، وہ ماں کے پاس رہے گا۔" المبسوط "میں مزید یہ ہے کہ عورت کو یہ حق نہیں کہ اس حق کو کسی شرط کے ذریعے ختم کردے۔ یہ سب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان فقہاء کے قول (جو حضانت پر جبر کے قائل ہیں) کو ظاہر الروایۃ کے موافق سمجھا جائے۔۔۔ حاصل کلام یہ ہے اس مسئلے میں ترجیح مختلف فیہ ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ فتویٰ ان فقہاء کے قول پر دیا جائے، جو حضانت پر جبر کے قائل ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں: اس پر کیسے فتویٰ دیا جاسکتا ہے جبکہ مشائخ کا متفقہ فتویٰ پہلے قول (یعنی عدمِ جبر) پر ہے، اور اکثر اوقات مشائخ ظاہر الروایۃ کو چھوڑ کر بھی کسی اور قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔[1]

رد المحتار میں ہے: "قوله: (ولا تقدر الحاضنة الخ) اختلف فی الحاضانة هل هی حق الحاضنة او حق الولد؟ فقيل بالاول فلا تجبر اذا متنعت و رجحه غير واحد و عليه الفتوى و

1... طحطاوی علی الدر، ج05، ص114، 113، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

قیل بالثانی فتجبر واختارہ الفقہاء الثلاثۃ ابو اللیث والھندوانی و خواھر زادہ۔۔۔قلت:و یوخذ من ھذا التوفیق بین القولین:۔۔۔فقول من قال:انھا حق الحاضنۃ فلا تجبر محمول علی ما اذا لم تتعین لھا و اقتصر علی انھا حقھا لان المحضون حینئذ لا یضیع حقہ لوجود من یحضنہ غیرھا و من قال:انھا حق المحضون فتجبر محمول علی ما اذا تعینت و اقتصر علی انھا حقہ لعدم من یحضنہ غیرھا۔ملخصا"مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول:(پرورش کرنے والی قادر نہیں الخ)حقِ پرورش کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ پرورش کرنے والی کا حق ہے یا بچے کا؟تو اس کے متعلق پہلا قول ذکر کیا گیا ہے(کہ یہ پرورش کرنے والی کا حق ہے)،لہٰذا اس اعتبار سے اسے مجبور نہیں کیا جائے گا،اگر وہ منع کرے اور اس(قول کو)ایک سے زیادہ فقہاء نے ترجیح دی اور اسی پر فتوی ہے۔اور اس کے متعلق دوسرا قول بھی نقل کیا گیا ہے(کہ حقِ پرورش بچے کا حق ہے،حاضنہ کا نہیں)،لہٰذا اس اعتبار سے پرورش کرنے والی کو مجبور کیا جائے گا،اس قول کو تین فقہاء ابو اللیث،ہندوانی اور خواہر زادہ(رضی اللہ تعالی عنہم)نے اسے اختیار کیا۔

میں کہتا ہوں:ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں دی جاسکتی ہے کہ جو حضانت کو پرورش کرنے والی کا حق قرار دیتے ہیں اور اسے مجبور نہ کرنے کے قائل ہیں،ان کی رائے اس وقت معتبر ہے،جب یہ ذمہ داری صرف اسی پر متعین نہ ہو،کیونکہ ایسی حالت میں بچہ کسی اور کے ذریعے پرورش پاسکتا ہے اور اس کا حق ضائع نہیں ہوتا۔اور جو حضانت کو بچے کا حق مانتے ہیں اور پرورش کرنے والی کو مجبور کرنے کے قائل ہیں،ان کی رائے اس وقت درست ہے کہ جب بچے کی پرورش صرف اسی عورت پر ہی موقوف ہو اور اس کے سوا کوئی دوسرا نہ ہو،جو یہ ذمہ داری ادا کر سکے۔ایسی صورت میں بچے کے حق کی حفاظت کے لیے اس کو مجبور کیا جائے گا۔[1]

---

1 ۔۔۔ ردالمحتار،ج5،ص265،264،مطبوعہ کوئٹہ۔

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مذکورہ بالا تطبیق کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"اقول:و حاصلہ ان حقھا ان تحضن و حقہ ان یحضن من دون تعیین من یحضن فالحضانۃ مبنیۃ للفاعل ای: الحاضنیۃ حقھا،و مبنیۃ للمفعول ای:المحضونیۃ حقہ فلم یتوارد القولان علی محل واحد واللہ تعالی اعلم۔و حیث ان المحضونیۃ لا وجود لھا بدون الحاضنیۃ رجع الامر ان حضانتھا عیناً حقھا و حضانۃ حاضنۃ ما حقہ فاذا امتنعت و ثم اخری فانما امتنعت عن حقھا لوجود حقہ بحضانۃ الاخری اما اذا لم تکن اخری فامتناعھا نفی للمحضونیۃ مطلقاً وھی حقہ فلا تملک ابطالہ و تجبر علیھا۔"میں کہتا ہوں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماں کا حق یہ ہے کہ وہ بچے کی پرورش کرے اور بچے کا حق یہ ہے کہ اس کی پرورش کی جائے، لیکن اس میں یہ تعیین نہیں کہ پرورش کرنے والا کون ہو؟اس طرح حضانت (پرورش) فاعل کی طرف سے دیکھی جائے،تو یہ ماں کا حق ہے اور مفعول کی طرف سے دیکھی جائے،تو یہ بچے کا حق ہے۔لہٰذا دونوں اقوال(کہ یہ حق ماں کا ہے یا بچے کا)دراصل ایک ہی محل پر وارد نہیں ہوتے۔اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اب چونکہ بچے کا حق (کہ اس کی پرورش کی جائے)ماں کی حضانت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا،اس لیے اصل بات یہ بنتی ہے کہ اگر بچہ خاص طور پر ماں کی پرورش میں ہے،تو یہ ماں کا حق ہے اور اگر کسی دوسری عورت کی پرورش میں ہے،تو یہ بچے کا حق ہے۔لہٰذا جب ماں حضانت سے انکار کرے اور کوئی دوسری عورت موجود ہو، تو ماں نے صرف اپنے حق سے انکار کیا ہے،کیونکہ بچے کا حق دوسری عورت کے ذریعے پورا ہو رہا ہے، لیکن اگر کوئی دوسری عورت موجود نہ ہو،تو ماں کا انکار بچے کے حقِ حضانت کو کلی طور پر ختم کر دیتا ہے، اور یہ بچے کا حق ہے،لہٰذا ماں کو اختیار نہیں کہ وہ اس حق کو ضائع کرے،بلکہ ایسی حالت میں اسے حضانت پر مجبور

کیا جائے گا۔[1]

(12)...ولی کا اپنی نابالغ اولاد کا نکاح غیر کفو اور مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کروانا:

مبہمات کی صراحت کرنے کی ایک مثال ولی کا اپنی نابالغ اولاد کا نکاح غیر کفو اور مہر میں غبنِ فاحش کے ساتھ کروانے کا مسئلہ ہے کہ جس میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے، امام اعظم کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین اس کے ناجائز ہونے کا قول کرتے ہیں، صاحبین کے قول "لایجوز النکاح" میں ابہام تھا کہ اس سے مراد نکاح باطل ہے یا فاسد تو امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس ابہام کو دور فرما دیا کہ اصح قول کے مطابق صاحبین کے نزدیک ایسا نکاح باطل ہے، مزید یہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مطلقاً جواز کا ہے یا اس میں کوئی قید ملحوظ ہے، یہ بھی مبہم تھا، تو اس پر امامِ اہلِ سنت نے فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے وضاحت بیان فرمائی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس صورت میں جواز کا قول کرتے ہیں، جبکہ ولی کا سوءِ اختیار معروف نہ ہو، اور اگر ولی کا سوء اختیار معروف ہو یا ولی نشہ کرتا ہو، تو اس صورت میں امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالاتفاق ایسا نکاح باطل ہو گا۔

چنانچہ تنویر الابصار میں ہے: "(وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفء)۔" اور ولی کو اختیار ہے کہ اپنے چھوٹے بچے اور بچی کا نکاح کروائے اور یہ نکاح لازم قرار پائے گا، اگرچہ غبن فاحش کے ساتھ ہو یا غیر کفو میں ہو۔[2]

1...جد الممتار علی رد المحتار، ج5، ص228، مطبوعہ کتبۃ المدینہ کراچی۔

2...تنویر الابصار، ج04، ص166، مطبوعہ کوئٹہ۔

ردالمحتار میں ہے:"قوله :(او بغير كفء)وهذا عند الامام ،وقالا:لايجوز ان يزوجها غير كفء ولايجوز الحط ولا الزيادة الا بما يتغابن الناس۔"ماتن کا قول کہ اگرچہ غیر کفو میں نکاح کروائے، یہ حکم امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ ولی کے لیے جائز نہیں کہ غیر کفو میں نکاح کروائے یا مہر میں اتنی کمی زیادتی کے ساتھ نکاح کروائے، جسے عام طور پر لوگ برداشت نہیں کرتے۔[1]

اس پر امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ جد الممتار میں ارشاد فرماتے ہیں:"وأبين شيء فيه كلام "الهندية" إذ قال: لو زوج ولده الصغير من غير كفء أو زوج بغبن فاحش، جاز عند أبي حنيفة، وعندهما لا تجوز، قال بعضهم: فأما أصل النكاح فصحيح، والأصح أن النكاح باطل عندهما، "كافي". والخلاف فيما إذا لم يعرف سوء اختيار الأب، أما إذا عرف فالنكاح باطل إجماعاً وكذا إذا كان سكران۔ ملخصاً"

اس مسئلے میں سب سے زیادہ واضح کلام فتاویٰ عالمگیری میں ہے جب کہا کہ اگر ولی نے اپنے چھوٹے بچے کا نکاح غیر کفو میں کروادیا یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کروادیا، تو یہ امام اعظم کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز، بعض نے کہا کہ صاحبین کے نزدیک اصلِ نکاح درست ہو جائے گا، جبکہ اصح یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک نکاح باطل ہے۔" الکافی "۔اور اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب باپ کا سوءِ اختیار معروف نہ ہو، اور اگر سوءِ اختیار معروف ہو، تو بالاتفاق ایسا نکاح باطل ہے، یونہی جب ولی نشہ کرنے والا ہو۔[2]

1...۔ ردالمحتار، ج04، ص166، مطبوعہ کوئٹہ۔

2...۔ جد الممتار، ج04، ص517، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

6 مساوات (نظیر) کی دلالت سے استدلال کرنا

فقہائے کرام کا کسی مسئلے میں نظیر کے ذریعے استدلال کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی نئے مسئلے کا حکم متعین کرنا ہو اور اس پر کوئی واضح جزئیہ موجود نہ ہو، تو فقہاء اس مسئلے کا کسی ایسے مسئلے کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں، جس پر پہلے سے کوئی نص موجود ہو یا ائمہ کرام نے پہلے سے اس مسئلے کا حکم متعین کر دیا ہو، تو فقہاء اس مسئلے میں موجود علت کی مماثلت کو بنیاد بناتے ہوئے، نئے مسئلے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جیسی علت پہلے والے مسئلے میں پائی جارہی تھی، بالکل ویسی ہی نئے مسئلے میں بھی موجود ہے، لہٰذا دونوں کا حکم بھی ایک جیسا ہو گا۔ اور بعض اوقات فقہائے کرام اصلِ حکم کے لیے نظیر کو مستدل نہیں بناتے، بلکہ اسے بطور تائید ذکر کرتے ہیں، تاکہ ثابت شدہ حکم کی مزید وضاحت اور پختگی ظاہر ہو، فقہائے کرام کے کلام میں اس کی کثیر امثلہ موجود ہیں۔

مساوات یعنی نظیر کے ذریعے استدلال کر کے مسائل کا استخراج بھی فقہاء مقلدین کا ایک مستقل طریقہ ہے۔ کتبِ فقہ میں اس کی بکثرت امثلہ موجود ہیں۔

نیچے ہم اس کی کچھ امثلہ بیان کرتے ہیں۔

(1).. جن چیزوں سے اسلحہ بنایا جاتا ہے، مثلاً لوہا وغیرہ کی خرید و فروخت کا حکم:

بدائع الصنائع میں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ جس چیز سے اسلحہ بنایا جاتا ہے، جیسے لوہا وغیرہ، اسے بیچ سکتے ہیں، کیونکہ یہ خاص قتل کرنے کے لیے تیار نہیں کیا گیا، لہٰذا اس میں (گناہ پر) مدد کے معنی نہیں پائے جاتے۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بطورِ دلیل اس کی یہ نظیر بیان فرمائی کہ اگر کوئی شخص ایسی لکڑی بیچے، جس سے آلاتِ موسیقی بنائے

جاتے ہوں ،تو یہ مکروہ نہیں، اگرچہ آلات موسیقی بیچنا مکروہ ہے۔یہ مساوات سے استدلال کرکے حکم بیان کرنے کی قبیل سے ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:" ولا یکرہ بیع ما یتخذ منہ السلاح منھم کالحدید وغیرہ؛ لأنہ لیس معدا للقتال فلا یتحقق معنی الإعانۃ، ونظیرہ بیع الخشب الذي یصلح لاتخاذ المزمار فإنہ لا یکرہ وإن کرہ بیع المزامیر "جس چیز سے اسلحہ بنایا جاتا ہے، جیسے لوہا وغیرہ، اسے فروخت کرنا مکروہ نہیں، کیونکہ یہ خاص قتل کے لیے تیار نہیں کیا گیا، لہٰذا اس میں (گناہ پر) مدد کے معنیٰ بھی نہیں پائے جاتے اور اس کی نظیر ایسی لکڑی کی خرید و فروخت ہے، جس سے آلاتِ موسیقی بنائے جاتے ہیں کہ اس لکڑی کی بیع مکروہ نہیں، اگرچہ آلاتِ موسیقی فروخت کرنا مکروہ ہے۔[1]

(2)...غیر محل میں لقمہ:

نظیر کے ذریعے استدلال کی ایک صورت فتاویٰ رضویہ میں موجود ہے کہ امام کو قعدہ اولیٰ میں تاخیر ہوئی اور مقتدی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید امام اس قعدہ کو قعدہ اخیرہ سمجھ رہا ہے،اس بناء پر لقمہ دیا، تو چاہے مقتدی کا گمان ٹھیک ہو، یعنی واقعی امام اس کو قعدہ اخیرہ سمجھ رہا ہو،تب بھی یہ لقمہ غیر محل میں ہے اور مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔پھر اس مسئلہ کا سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بطورِ دلیل نظیر سے استدلال کیا کہ جیسے امام قعدہ اولیٰ میں بیٹھنے کی بجائے، پورا کھڑا ہو گیا، تو اب لقمہ دینا، ناجائز ہے، اس صورت کا حکم بھی اسی کی مثل ہے۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن امام کو قعدہ اولیٰ میں

1...۔ بدائع الصنائع، ج07، ص214، مطبوعہ کوئٹہ۔

تاخیر ہونے پر مقتدی کے لقمہ دینے کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں: ”جب امام کو قعدہ اولیٰ میں دیر ہوئی اور مقتدی نے اس گمان سے کہ یہ قعدہ اخیرہ سمجھا ہے، تنبیہ کی، تو (یہ) دو حال سے خالی نہیں یا تو واقع میں اس کا گمان غلط ہو گا، یعنی امام قعدہ اولیٰ ہی سمجھا ہے اور دیر اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار التحیات زیادہ ترتیل سے ادا کی، جب تو ظاہر ہے کہ مقتدی کا بتانا، نہ صرف بے ضرورت، بلکہ محض غلط واقع ہوا، تو یقینا کلام ٹھہرا اور مفسد نماز ہوا: ”لقول الحلیة ان ماوراء ذلک یعمل فیه بقضیة القیاس ولقول المعدول به عن القیاس لایقاس علیه ولقول الفتح یبقی ماوراءه علی المنع ولقول التبیین لایقاس علیه غیره وهذا واضح جدا“ (حلیہ کے ان الفاظ کی وجہ سے کہ ”ان کے علاوہ میں قیاس پر عمل ہو گا“ اور اس کے اس قول کے پیش نظر کہ ”خلافِ قیاس پر قیاس نہیں ہو سکتا“ اور فتح کے قول کہ ”اس کے علاوہ ممنوع ہوں گے“ اور تبیین کے قول کہ ”اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جا سکتا“ اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ت)

یا اس کا گمان صحیح تھا، غور کیجئے! تو اس صورت میں بھی اس بتانے کا محض لغو و بے حاجت واقع ہونا اور اصلاحِ نماز سے اصلاً تعلق نہ رکھنا، ثابت کہ جب امام قعدہ اولیٰ میں اتنی تاخیر کر چکا، جس سے مقتدی اس کے سہو پر مطلع ہوا، تو لاجرم یہ تاخیر بقدرِ کثیر ہوئی اور جو کچھ ہونا تھا، یعنی ترکِ واجب ولزومِ سجدہ سہو وہ ہو چکا، اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہو سکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں، جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا، پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو رہے گا، ہاں! جس وقت سلام شروع کرتا، اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہیے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل وفسادِ نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کر چکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطعِ

نماز اس سے واقع ہو جائے، اس سے پہلے نہ خللِ واقع کا ازالہ تھا، نہ خللِ آئندہ کا اندیشہ، تو سوا فضول و بے فائدہ کے کیا باقی رہا، **لہٰذا مقتضائے نظر فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز ہے، نظیر اس کی یہ ہے کہ جب امام قعدہ اولیٰ چھوڑ کر پورا کھڑا ہو جائے، تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے، ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑے ہونے کے بعد امام کو قعدہ اولیٰ کی طرف عود (لوٹنا)، ناجائز تھا، تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کی رو سے کلام ٹھہر کر مفسدِ نماز ہوا۔**"[1]

(3)... حوض کے اندر نجاست پڑنے کا حکم:

یہ اصول ہے کہ جاری پانی نجاست کا اثر قبول نہیں کرتا اور ناپاک نہیں ہوتا، لیکن بعض اوقات بظاہر پانی جاری ہوتا ہے، مگر حقیقت میں اس کو جاری نہیں کہیں گے اور وہ نجاست سے ناپاک ہو جائے گا، جیسے حوض کے اندر جو پانی جاری ہو، اس کو سیلان تو کہیں گے، لیکن جاری نہیں، لہٰذا حوض میں اگر نجاست پڑی ہو اور پانی اس کو ملا، تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حوض والا یہ حکم بیان کرنے کے بعد ایک نظیر کے ذریعے استدلال کیا، جو کہ ائمہ سے منقول ہے کہ زخم کے اندر جو خون کا سیلان ہے، اسے جاری نہیں کہتے، ہاں! جب باہر بہے، تب اس پر جاری کا اطلاق ہو گا اور ناقض وضو ہو گا، یہی حکم یہاں ہیں۔

چنانچہ اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "اصل ۹: اقول وباللہ التوفیق ایک فائدہ نفیسہ ہے کہ شاید اس کی تحریر فقیر کے سوا دوسری جگہ نہ ملے، اثرِ نجاست قبول نہ کرنے کو پانی کا جریان چاہیے، سیلان کافی نہیں، سائل و جاری میں عموم و خصوص

1... فتاویٰ رضویہ، ج7، ص264، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

مطلق ہے، ہر جاری سائل ہے اور ہر سائل جاری نہیں، دیکھو بطنِ حوض میں جو پانی نل سے داخل ہوا اور دوسرے کنارے تک پہنچا، اُس وقت ضرور سائل ہے، مگر جاری نہ ٹھہرا، جب تک دوسری طرف سے نکل نہ جائے۔۔۔اس نفیس فائدہ سے۔۔۔وہ فرق کھل گیا جو اصل ۸ میں ہم نے ذکر کیا کہ تالاب کے اندر مدخلِ آب کے قریب نجاست ہے اور پانی اس پر ہو کر گزرا، ناپاک ہو گیا کہ وہ سائل ہے، جاری نہیں اور تالاب کے باہر زمین پر کنارے کے قریب نجاست ہے اور پانی اُس پر گزرتا، تالاب میں داخل ہوا، تو ناپاک نہ ہوا، جب تک وصف نہ بدلے کہ وہ جاری ہے **اور اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے کہ جوفِ زخم کے اندر خون کا سیلان معتبر نہیں، جوف سے باہر بہے، تو ناقضِ وضو ہے، فافہم! یہی مبنی ہے اس مسئلہ کا کہ استنجاء کرنے کو لوٹے سے پانی کی دھار ڈالی، ہاتھ تک پہنچنے سے پہلے اُس دھار پر پیشاب کی چھینٹ پڑ گئی، دھار ناپاک نہ ہو گی کہ جاری ہے اور یہی دھار استنجا کرنے سے ناپاک ہو جائے گی کہ بدن پر جاری نہیں۔ ملخصا۔**"[1]

(4)...نہر سے وضو کرنا افضل ہے یا حوض سے؟

امامِ اہل سنت، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا کہ نہر سے وضو کرنا، افضل ہے یا حوض سے؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ نہر سے وضو کرنا، افضل ہے، البتہ کوئی مصلحتِ خاصہ ہو، تو حوض سے وضو کرنا بہتر ہے، جیسا کہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ معتزلی حوض سے وضو کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، تو کسی معتزلی کے سامنے اسے غیظ دلانے کے لیے حوض سے وضو کرنا، افضل ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس مصلحت سے اہم دفعِ تہمت ہے کہ معاذ اللہ لوگوں کو اتباعِ معتزلہ کا گمان ہو گا۔ پھر اس پر بطورِ دلیل نظیر ذکر فرمائی کہ رافضی

1...فتاویٰ رضویہ، ج2، ص372تا375، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

خارجی موزے پر مسح کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اگر کسی کو اس پر گمانِ خروج ہو، تو اس گمان کو دور کرنے کے لیے موزے پر مسح کرنا، افضل ہے، ورنہ فی نفسہ پاؤں دھونا ہی افضل ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"وضو نہر سے افضل ہے، مگر کسی مصلحتِ خاصہ کے باعث، علمائے کرام فرماتے ہیں کسی معتزلی کے سامنے اُسے غیظ پہنچانے کو حوض سے وضو، افضل ہے کہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے:فی فوائد الرستغفنی التوضی بماء الحوض افضل من النھر لان المعتزلة لایجیزونه من الحیاض فیرغمھم بالوضوء منھااھ وھذا انما یفید الافضلیة لھذا العارض ففی مکان لایتحقق النھر افضل ۔ فوائد الرستغفنی میں ہے نہر کی بہ نسبت حوض سے وضو کرنا، افضل ہے، کیونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں، اس طرح ان کی تذلیل ہوگی اھ ،اس سے افضل ہونے کی یہ عارضی وجہ معلوم ہوتی ہے، جہاں یہ وجہ نہ ہو، وہاں نہر سے وضو، افضل ہوگا۔ **اقول: اس مصلحت سے اہم دفعِ تہمت ہے کہ معاذ اللہ لوگوں کو اس پر اتباعِ معتزلہ کا گمان ہو، اس کے دفع کے لیے ایسا کرے، اس کی نظیر مسحِ موزہ ہے کہ رافضی خارجی ناجائز جانتے ہیں، اگر کسی کو اس پر گمانِ خروج ہو، تو اس کے دفع کو مسحِ موزہ افضل، ورنہ فی نفسہ پاؤں دھونا افضل۔** "[1]

(5)...مزاراتِ اولیاء اللہ پر روشنی کرنا:

امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا کہ مزاراتِ اولیاء اللہ پر روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولاً علمائے کرام کی عبارتیں پیش فرما کر اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ مزارات اولیاء پر روشنی کرنا، بلاشبہ جائز ہے۔ پھر بطورِ دلیل نظائر بیان

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج2، ص308 تا 311، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

فرمائیں کہ مصحف شریف کو آراستہ کرنا، سلف صالحین کے دور میں نہیں تھا، مگر اسے آراستہ کرنا جائز و مستحب ہے کہ دلیلِ تعظیم ہے۔ یونہی مساجد کی آرائش ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش و نگار کہ صدرِ اول میں نہ تھے، مگر اب مساجد کی زیب و آرائش عام لوگوں کے دلوں پر اثرِ تعظیم پیدا کرتا ہے، لہٰذا علماء کرام نے اس کے جواز کا حکم بیان فرمایا۔ اسی طرح مسجدوں کے لیے کنگرے بنانا، صدرِ اول میں نہ تھے، مگر اب مسلمانوں میں بلا نکیر رائج ہیں اور جسے مسلمان اچھا سمجھیں، وہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "امام علامہ عارف باللہ سیدی عبد الغنی بن اسمٰعیل بن عبد الغنی نابلسی قدسنا اللہ بسرہ القدسی کتابِ مستطاب "الحدیقہ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ" مطبع مصر جلد دوم ص ۴۲۹ میں فرماتے ہیں: قال الوالد رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرحہ علی شرح الدرر من مسائل متفرقۃ اخراج الشموع الی القبور بدعۃ اتلاف مال کذا فی البزازیۃ اھ وھذا کلہ اذا خلا عن فائدۃ واما اذا کان موضع القبور مسجدا او علی طریق او کان ھناک احد جالس او کان قبر ولی من الاولیاء او عالم من المحققین تعظیماً لروحہ المشرقۃ علی تراب جسدہ کاشراق الشمس علی الارض اعلاما للناس انہ ولی لیتبرکوا بہ ویدعوا اللہ تعالیٰ عندہ فیستجاب لھم فھو امر جائز لا منع منہ والاعمال بالنیات۔ یعنی والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ درر و غرر میں فتاویٰ بزازیہ سے نقل فرمایا کہ قبروں کی طرف شمعیں لے جانا، بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے، یہ سب اس صورت میں ہے کہ بالکل فائدہ سے خالی ہو، اور اگر شمعیں روشن کرنے میں فائدہ ہو کہ موضعِ قبور میں مسجد ہے یا قبور سر راہ ہیں یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے یا مزار کسی ولی اللہ یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا ہے، وہاں شمعیں روشن کریں، ان کی روح مبارک کی تعظیم کے لیے، جو اپنے بدن کی خاک پر ایسی تجلی ڈال رہی ہے، جیسے آفتاب زمین پر، تاکہ اس روشنی

کرنے سے لوگ جانیں کہ یہ ولی کا مزارِ پاک ہے، تاکہ اس سے تبرک کریں اور وہاں اللہ عزوجل سے دعا مانگیں کہ ان کی دعا قبول ہو، تو یہ امر جائز ہے، اس سے اصلاً ممانعت نہیں، اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ پھر فرماتے ہیں: روی ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لعن زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج ای الذین یوقدون السرج علی القبور عبثا من غیر فائدۃ۔ کماذکرنا۔ ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی، یعنی اُن لوگوں پر جو کسی فائدہ کے بغیر قبروں پر چراغ جلاتے ہیں، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

یعنی یہ مذکورہ بالا حدیث کہ راویت کی گئی ہے۔ اس سے بھی مراد وہی صورت ہے کہ محض عبث، بلافائدہ قبور پر شمعیں روشن کریں، ورنہ ممانعت نہیں، ملاحظہ ہو وہی حدیث ہے، وہی عبارتِ فتاویٰ بزازیہ ہے، ان علامہ جلیل القدر عظیم الفخر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے معنی روشن فرما دیے اور تصریحاً ارشاد کیا کہ مقابر میں شمعیں روشن کرنا، جب کسی فائدہ کے لیے ہو، ہرگز منع نہیں، فائدہ کی متعدد مثالیں فرمائیں:

(۱)۔ وہاں کوئی مسجد ہو کہ نمازیوں کو بھی آرام ہو گا اور مسجد میں بھی روشنی ہو گی۔

(۲)۔ مقابر بر سرِ راہ ہوں، روشنی کرنے سے راہ گیروں کو نفع پہنچے گا اور اموات کو بھی کہ مسلمان مقابرِ مسلمین دیکھ کر سلام کریں گے۔ فاتحہ پڑھیں گے، دعا کریں گے، ثواب پہنچائیں گے، گزرنے والوں کی قوت زائد ہے، تو اموات برکت لیں گے اور اگر اموات کی قوت زائد

ہے، تو گزرنے والے فیض حاصل کریں گے۔

(۳)۔ مقابر میں اگر کوئی بیٹھا ہو کہ زیارت یا ایصالِ ثواب یا افادہ یا استغفار کے لیے آیا ہے، تو اسے روشنی سے آرام ملے گا، قرآن عظیم دیکھ کر پڑھنا چاہے، تو پڑھ سکے گا۔

(۴)۔ وہ تینوں منافع مزاراتِ اولیاء کرام قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارھم کو بھی بروجہ اولیٰ شامل تھے کہ مزاراتِ مقدسہ کے پاس غالباً مساجد ہوتے ہیں، گزرگاہ بھی بہت جگہ ہے اور حاضرین زائرین خواہ مجاورین سے تو نادراً خالی ہوتے ہیں، مگر امام ممدوح ان پر اکتفانہ فرما کر خود مزاراتِ کریمہ کے لیے بالتخصیص روشنی میں فائدہ جلیلہ کا افادہ فرماتے ہیں کہ ان کی ارواحِ طیبہ کی تعظیم کے لیے روشنی کی جائے۔

اقول: ظاہر ہے کہ روشنی دلیلِ اعتناء ہے اور اعتناء دلیلِ تعظیم۔ اور تعظیمِ اہل اللہ ایمان و موجبِ رضائے رحمان عزجلالہ۔ قال اللہ عزوجل: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۔ جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے، تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

وقال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ جو اللہ کی حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرے، تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔

اس کی نظیر مصحف شریف کا مطلاً و مذہّب کرنا ہے کہ اگرچہ سلف میں نہ تھا، جائز و مستحب ہے کہ دلیلِ تعظیم وادب ہے۔ درمختار میں ہے: جاز تحلیة المصحف لما فیه من تعظیمه کما فی نقش المسجد۔ مصحف شریف مطلاً و مذہب کرنا، جائز ہے، کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے، جیسا کہ مسجد کو منقش کرنے میں۔

یوں ہی مساجد کی آرائش، ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش و نگار کہ صدرِ اول

میں نہ تھے، بلکہ یہ حدیث میں تھا: لتزخرفنّها کمازخرفت الیهود والنصارٰی۔ رواہ ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما۔ تم مسجدوں کی آرائش کروگے، جیسے یہود ونصارٰی نے آرائش کی، اسے ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت) **مگر اب ظاہری تزک واحتشام ہی قلوبِ عامہ پر اثرِ تعظیم پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا ائمہ دین نے حکم جواز دیا۔** تبیین الحقائق میں ہے: لا یکره نقش المسجد بالجص وماء الذهب ۔ گچ اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش بنانا مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

یونہی مسجدوں کے لیے کنگرے بنانا کہ مساجد کے امتیاز اور دور سے ان پر اطلاع کا سبب ہیں، اگرچہ صدرِ اول میں نہ تھے، بلکہ یہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا تھا: اِبْنُوا الْمَسَاجِدَ واتخذوها جمًّا۔ رواہ ابن ابی شیبة والبیهقی فی السنن عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنه۔ مسجدیں مُنڈی بناؤ، اسے ابن ابی شیبہ نے اور سنن میں بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

مگر اب بلا نکیر مسلمانوں میں رائج ہے۔ وَمَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَن۔ اور جسے مسلمان اچھا سمجھیں، وہ خدا کے یہاں بھی اچھا ہے (ت)۔ ملخصًا "[1]

(6)...پردہ نشین عورت کے گھر میں پانی موجود نہ ہو، تو تیمم کا حکم:

نظیر سے استدلال کی ایک مثال یہ ہے کہ شریف زادی، پردہ نشین عورت کہ گھر سے باہر نکلنے کی قطعاً عادی نہیں ہے، اس کے گھر میں پانی موجود نہ ہو اور کوئی باہر سے لا کر دینے والا بھی نہ ہو، تو اسے بھی تیمم کی اجازت ہے۔

---

1 ...۔ فتاوٰی رضویہ، ج9، ص490 تا493، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

اس مسئلہ کے متعلق امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عورتوں کی چند اقسام بیان فرمائیں: ایک وہ عورت کہ دن دہاڑے منہ کھولے بے تکلّف بازاروں میں پھرتی ہیں، یہ مطلقاً مردوں کی مثل ہیں، مگر جبکہ چادر نہ پائیں، تو انہیں بھی تیمم کی اجازت ہوگی، اس پر یہ **نظیر** بیان فرمائی کہ پانی پینے کی سبیل سے وضو کی اجازت نہیں، اگر صرف وہی پانی ہو، تو تیمم کرے اور اگر کوئی شخص ظلم وغصب کا عادی ہو، تو اسے بھی تیمم کا حکم ہوگا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ تو تو غاصب ہے اسے غصباً لے کر وضو کر۔ پھر آگے مزید عورتوں کی اقسام اور ان کے متعلق تیمم کے احکام بیان فرمائے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”اقول: شریف زادی پردہ نشین کہ باہر نکلنے کی قطعاً عادی نہیں، اگر گھر میں پانی نہ رہے، نہ باہر سے کوئی لا دینے والا ہو، تو رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے امید ہے کہ اُسے اجازتِ تیمم ہو اور پانی پانے پر اعادہ کی بھی حاجت نہ ہو، تفصیل اس کی یہ کہ عورات چند قسم ہیں، ایک وہ کہ دن دہاڑے منہ کھولے بے تکلّف بازاروں میں پھرتی ہیں، یہ مطلقاً مردوں کی مثل ہیں، مگر جبکہ چادر نہ پائیں۔ اقول اگرچہ خود بدلحاظی (عہ) سے پھرنے کی عادی ہوں کہ وہ حرام ہے اور شرع حرام کا حکم نہیں دیتی۔

(عہ) اقول: اس کی نظیر یہ ہے کہ پانی پینے کی سبیل سے وضو کی اجازت نہیں، اگر صرف وہی پانی ہو، تیمم کرے اور اگر کوئی شخص ظلم وغصب کا عادی ہو، تو اسے بھی تیمم کا حکم ہوگا، یہ نہ فرمایا جائے گا کہ تو تو غاصب ہے، اسے غصباً لے کر وضو کر ۱۲ منہ (م)۔“[1]

1... فتاویٰ رضویہ، ج3، ص418،417، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(7)...حالتِ جنابت میں روزہ رکھا اور سارا دن جنبی رہا، تو کیا حکم؟

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا کہ زید نے رمضان شریف کا روزہ جنابت کی حالت میں رکھا اور قصداً دن بھر افطار کے وقت تک غسل نہیں کیا، تو کیا یہ روزہ اُس کا بغیر کسی نقص کے درست ہو گا یا نہیں؟ اور روزے کے لیے طہارت شرط ہے یا نہیں؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ شخص نمازیں عمداً کھونے کے سبب سخت کبائر کا مرتکب اور عذابِ جہنم کا مستوجب ہُوا، مگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل نہ آیا، طہارت باجماعِ ائمہ اربعہ شرطِ صوم نہیں۔ پھر بطورِ دلیل احادیثِ کریمہ بیان کرنے کے بعد اس مسئلہ کی نظیر ذکر فرمائی کہ کوئی ریشمی کپڑے پہن کر قرآن عظیم کی تلاوت کرے، اس سے نہ تلاوت میں کوئی نقص ہُوا، نہ اُس کے ثواب میں کمی، ہاں ظلمتِ گناہ ملنے کے باعث، اُس کے لیے نورانیتِ خالصہ نہ رہی۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”وہ شخص نمازیں عمداً کھونے کے سبب سخت کبائر کا مرتکب اور عذابِ جہنم کا مستوجب ہُوا، مگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل نہ آیا، طہارت باجماعِ ائمہ اربعہ شرطِ صوم نہیں۔۔۔ ہاں! بوجہِ ارتکابِ کبیرہ اس کی نورانیت بالصوم میں فرق آئے گا، نہ اس لیے کہ جنب تھا کہ جنابت سے نورانیت میں تفاوت آتا، تو بحالِ جنابت صبح کرنے سے بھی آتا، بلکہ اس لیے کہ نماز فوت کی، یہاں تک کہ اگر نماز بحالِ جنابت ہو سکتی، تو دن بھر، بلکہ مہینہ بھر جنب رہنے سے بھی حصولِ نورانیت بصوم میں فرق نہ ہوتا، یہ فرق بوجہِ فوتِ نماز ایسا ہو گا، جیسے روزہ میں کسی کو ظلماً مارنے سے، مگر اس سے کوئی نہ کہے گا کہ نفسِ صوم میں کوئی نقص آگیا، گناہ کے سبب روزے میں خلل آنا، ظاہر یہ کا مذہبِ فاسد ہے، **اس کی نظیر ایسی ہے کہ**

کوئی ریشمیں کپڑے پہن کر قرآن عظیم کی تلاوت کرے، اس سے نہ تلاوت میں کوئی نقص ہُوا،نہ اُس کے ثواب میں کمی، ہاں ظلمتِ گناہ ملنے کے باعث ،اُس کے لیے نورانیتِ خالصہ نہ رہی۔یہ ان میں داخل ہوا، جن کو فرماتا ہے: ﴿وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا﴾ اور کچھ اور ہیں ،جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دُوسرا بُرا۔ ملخصًا"[1]

(8)...دعامیں "بمعقد العزمن عرشك" کے الفاظ استعمال کرنا:

تنویر الابصار و در مختار میں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ دعامیں "بمعقد العزمن عرشك" کے الفاظ استعمال کرنا، مکروہ ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی یہ توجیہ بیان فرمائی کہ یہ قول اس امر کا وہم دِلاتا ہے کہ اس کی عزت و جلال عرش سے متعلق ہے، عرش حادث ہے اور جو چیز اس کے ساتھ متعلق ہو گی، وہ بدیہی طور پر حادث ہو گی ، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے کہ اس کی عزت و جلال امر حادث سے متعلق ہو، بلکہ اس کی عزت و جلال قدیم ہے، کیونکہ یہ اس کی صفت ہے، اس کی تمام صفات قدیم ہیں ، اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات ازل میں ان سے ہمیشہ موصوف اور ابد میں ہمیشہ سے موصوف رہے گی، کمال میں سے کوئی بھی شے، جو ازل میں موجود نہیں تھی ، عرش وغیرہ کے پیدا ہونے سے اس میں کوئی اضافہ نہ ہو گا۔ پھر فرمایا کہ **محض معنی محال کا ایہام اُس کلام کے ساتھ تلفظ سے ممانعت کے لیے کافی ہے اور اس پر بطورِ دلیل ایک نظیر بیان فرمائی کہ مشائخ نے اس قول "انا مومن ان شاء اللہ" کو مکروہ قرار دیا ہے، اگرچہ وہ تعلیق کے بجائے، تبرک کا قصد کرے، اس لیے کہ اس میں ایہام ہے۔**

1...فتاویٰ رضویہ، ج10، ص554تا557، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن لاہور۔

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:" (و) كره (قوله في دعائه بمقعد العز من عرشك)"[1]

رد المحتار میں ہے:" (قوله بمعقد العز) وإنما كره لأنه يوهم تعلق عزه بالعرش والعرش حادث، وما يتعلق به يكون حادثا ضرورة والله تعالى متعال عن تعلق عزه بالحادث سبحانه، بل عزه قديم لأنه صفته، وجميع صفاته قديمة قائمة بذاته لم يزل موصوفا بها في الأزل، ولا يزال في الأبد ولم يزد شيئا من الكمال لم يكن في الأزل بحدوث العرش وغيره زيلعي------ووجه الاندفاع أن مجرد إيهام المعنى المحال كاف في المنع عن التلفظ بهذا الكلام، وإن احتمل معنى صحيحا ولذا علل المشايخ بقولهم لأنه يوهم إلخ **ونظيره ما قالوا في أنا مؤمن إن شاء الله، فإنهم كرهوا ذلك، وإن قصد التبرك دون التعليق لما فيه من الإيهام** كما قرره العلامة التفتازاني في شرح العقائد وابن الهمام في المسايرة، وعلى هذا يمنع عن هذا اللفظ " مفہوم اوپر گزرا۔[2]

(9)... مسجد میں داخل ہو کر پہلے فرض ادا کیے، تو اس فرض کی ادائیگی سے تحیۃ المسجد ادا ہو جائے گی؟

تحیۃ المسجد نفل نماز ہے، مسجد میں داخل ہونے کے بعد پہلے جو بھی نماز ادا کی جائے، اس سے تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہو کر پہلے فرض ادا کیے، تو اس فرض کی ادائیگی سے تحیۃ المسجد کیسے ادا ہو جائے گی؟ اس کی وجہ بیان کرنے کے بعد مفتی نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نظیر کے ذریعے استدلال فرمایا۔

چنانچہ فرماتے ہیں:"بہر حال داخلِ مسجد جو نماز بھی پہلے ادا کرے، اس سے تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے، نیت کرے یا نہ کرے، مگر ظاہر یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کی ادائیگی کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔۔۔رہا یہ سوال کہ تحیۃ المسجد صلوٰۃِ مسنونہ ہے، تو ادائے فرض سے کس طرح

1... تنویر الابصار ودر مختار مع رد المحتار، ج09، ص651، مطبوعہ کوئٹہ۔
2... رد المحتار، ج09، ص652،651، مطبوعہ کوئٹہ۔

ہو گی؟ تو اس کی وجہ بیان ہو چکی اور اس کی کئی نظیریں ہیں کہ سنت فرض کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے، زید بھوک سے جان بلب تھا اور سحری کے وقت اسے کھانا ملا، حفظِ جان کے لیے یہ کھانا، اس پر فرض ہے اور سحری سنت ہے، تو اگر دونوں کی نیت کرلے، تو فرض کے ساتھ سنت بھی ادا ہو جائے گی، الی غیر ذالک من نظائر۔"[1]

7 مجتہد سے غیر منصوص احکام اور جو واقعات و مسائل مجتہد کے دور میں درپیش نہیں تھے، ان میں مجتہد کے اصول کے ذریعے استنباط کرنا

وہ مسائل کہ جو مجتہد سے صراحتاً منقول نہیں تھے، ضرورت پیش آنے پر مقلد فقہاء کرام نے مذہب کے اصول و قواعد کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ان مسائل کا استخراج کیا اور ان کا حکم بیان فرمایا، نوازل، حوادث و واقعات کے نام سے اس پر کتب و فتاویٰ موجود ہیں، زمانہ قریب میں سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جن نئے مشہور مسائل کا حل پیش کیا اور ان پر رسائل تحریر فرمائے، مندرجہ ذیل ہیں۔

"کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم"

"کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم"

1... فتاویٰ نوریہ، ج1، ص578،577، مطبوعہ: دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور، اوکاڑہ۔

"المنی والدر دلمن عمد منی آرڈر"

"الکشف شافیا فی حکم فونوجرافیا"

"العطایا القدیر فی حکم التصویر"

"اعلام الاعلام بان ھندوستان دار الاسلام"

اس موضوع پر اگر لکھا جائے تو خود مستقل کتاب تیار ہو جائے بطور نموذج ہم چند امثلہ بیان کرتے ہیں۔

(1)... منی آرڈر کی فیس کا مسئلہ:

امام اہل سنت، سیدی اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ کے وضع کردہ اصول و قواعد کی روشنی میں، بعض ایسے مسائل کا حکم بھی استنباط و استخراج فرمایا، جن کے بارے میں امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی صریح روایت نہیں ملتی۔ انہیں غیر منصوص مسائل میں سے ایک مسئلہ منی آرڈر کی فیس کا بھی ہے، امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اس مسئلہ کی تحقیق و توضیح فرمائی، بلکہ اس موضوع پر باقاعدہ ایک مستقل رسالہ بنام "المنی والدر لمن عمد منی آرڈر" تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور کی 19 ویں جلد میں موجود ہے۔

(2)... کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت:

امامِ اہلِ سنت، الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت ایک نیا مسئلہ تھا، عرب و عجم کے علماء اس کے متعلق پریشان تھے، بعض ان میں سے اسے قرض کی رسید قرار دیتے تھے، بعض ثمن اصطلاحی قرار دیتے تھے اور یہی نوٹ کی حقیقت ہے،

چنانچہ نوٹ کی فقہی حیثیت متعین نہ ہونے کی وجہ سے علماء کے درمیان نوٹ کے ذریعے خرید و فروخت، زکوٰۃ کی ادائیگی اور دیگر معاملات میں اختلاف رُونما ہوا۔

اس سلسلہ میں جب مکہ مکرمہ کے مفتیِ حنفیہ حضرت علامہ جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے اپنا عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا: علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ کوئی حکم دوں۔

بہر حال 1323ھ میں جب امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو وہاں کے علماء نے اس موقع کو غنیمت جان کر آپ سے نوٹ کے متعلق بارہ سوالات دریافت کیے، امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے سفرِ حج کے دوران ہی ان بارہ سوالات کے محققانہ جوابات پر مشتمل ایک رسالہ بنام "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور کی 17ویں جلد میں موجود ہے۔

(3)...تاڑی پینے کا حکم:

تاڑی پینا حلال ہے یا نہیں؟ یہ ایک غیر منصوص مسئلہ ہے، امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے جوش و سکر نہ ہونے کی قید لگا کر اسے طیب و حلال بتایا اور اس کا پینا جائز قرار دیا، ائمہ کرام سے اس کی صراحت مذکور نہیں ہے، امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر یہ مسئلہ بیان فرمایا۔

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ عرق تاڑ جس کو اس ہندوستان میں تاڑی کہتے ہیں بذاتہ حلال ہے یا حرام؟ تاڑی ایسی صورت میں کہ شب کو نیا برتن تاڑ میں لگایا جائے اور

علی الصباح اتار لیا جائے اور اس میں کسی قسم کا سکر نہ پیدا ہو تو حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ”تاڑی فی نفسہٖ ایک درخت کا عرق ہے۔ جب تک اس میں جوش وسکر نہ آئے، طیب وحلال ہے جیسے شیرۂ انگور، لوگوں کا بیان ہے کہ اگر کورا گھڑا وقت مغرب باندھیں اور وقت طلوع اتار کر اسی وقت استعمال کریں تو اس میں جوش نہیں آتا۔ اگر یہ امر ثابت ہو تو اس وقت تک وہ حلال وطاہر ہوتی ہے۔ جب جوش لائے ناپاک وحرام ہوئی، مگر اس میں تنقیح طلب یہ امر ہے کہ آیا حرارت ہوا بھی چند گھنٹے یا چند پہر ٹھہرنے کے بعد اس عرق میں جوش وتغیر لاتی ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہو تو شام کے وقت تاڑی چند پیڑوں سے بقدر معتدبہ نکال کر کسی ظرف میں بند کرکے صبح تک رکھ چھوڑیں تو ہرگز متغیر نہ ہوگی جب تک آفتاب نکل کر دیر تک دھوپ سے اس میں فعل نہ کرے جوش نہیں لاتی تو اس صورت میں وہ بیان مذکور ضرور پایہ ثبوت کو پہنچے گا، ورنہ صراحت معلوم ہے کہ شام کو جو گھڑا لگایا جائے گا تاڑی اس میں صبح تک بتدریج آیا کرے گی تو وہ اجزاء کہ اوّل شام آئے تھے طول مدت کے سبب حرارت ہوا سے ان کا تغیر مظنون ہے اور جوش وتغیر محسوس نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اجزاء جنھیں مدت اس قدر نہ گزرے کہ ہنوز تغیر کی حد تک نہ پہنچے کثیر وغالب میں اس تقدیر پر اُس سے احتراز میں سلامتی ہے۔“[1]

(4)... مُحرِم کے لیے سنبل اور مشک کی خوشبو پر مشتمل خمیرہ تمباکو کا پینا:

محرم کے لیے سنبل اور مشک کی خوشبو پر مشتمل خمیرہ تمباکو پینا جائز ہے، ائمہ کرام سے اس کی صراحت مذکور نہیں ہے، امامِ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ

1... فتاویٰ رضویہ، ج21، ص638، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

کر اپنی فقاہت واجتہادی صلاحیتوں سے یہ مسئلہ بیان فرمایا۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جد الممتار میں ارشاد فرماتے ہیں:" یستفاد منه حکم خمیرة التتن الملقی فیها سنبل الطیب والمسک ونحوهما فان الخمیرة لا توکل ولا تشرب لاهی ولا جزء منها بل تؤثر فیها النارفتحلیها دخانا، فتنقلب حقیقتها،وقلب العین مغیرللحکم فهولم یاکل طیباولم یشربه وانما شرب دخانامطیبا فینبغی ان لاشیء علیه غیرالکراهة ان وجدت الرائحة .ثم الکراهة حیث اطلقت للتحریم فیلزم التأثیم فیما یظهربل لعل الاظهر ان هذا لعمل النار یلتحق بالمطبوخ وقد علم من الشرح ان لا شیء فیه ولا کراهة...والطیب الممزوج فی الخمیرة عمل فیه النار فینبغی ان لا حکم فیها للطیب اصلا. ملخصا" یعنی اس سے خمیرہ تمباکو کا حکم مستفاد (حاصل) ہوتا ہے کہ جس میں سنبل اور مشک اور انکی مثل دیگر خوشبوئیں ڈالی جاتی ہیں۔ کیونکہ خمیرہ نہ تو کھایا جاتا ہے اور نہ ہی پیا جاتا ہے، نہ اس کی ذات اور نہ ہی اس کا کوئی جز، بلکہ اس میں آگ اثر کرتی ہے اور اسے دھواں بنا دیتی ہے۔ لہٰذا اس کی حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے اور قلبِ ماہیت حکم کو بدل دیتی ہے، لہٰذا حقہ پینے والے نے، نہ تو خوشبو کھائی اور نہ ہی اسے پیا، اس نے تو خوشبو دار دھواں پیا ہے، تو مناسب ہے کہ اس پر کوئی کفارہ نہ ہو۔ لیکن اگر خوشبو پائی جائے تو کراہت ہوگی پھر جب کراہت مطلق کہی جائے تو وہ تحریم کے لیے ہوتی ہے تو ظاہراً اس سے گناہ گار ہونا لازم آتا ہے، بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ خمیرہ آگ کے عمل کی وجہ سے مطبوخ کے ساتھ ملحق ہو گیا اور شرح سے یہ بات معلوم ہو چکی کہ مطبوخ میں کوئی کفارہ بھی نہیں اور نہ ہی کوئی کراہت اور خمیرہ میں ملائی جانے والی خوشبو پر آگ نے عمل کر لیا، تو مناسب یہ ہے کہ خوشبو ہونے کا اصلا حکم نہ ہو۔[1]

1... جد الممتار، ج4، ص321، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ کراچی۔

(5)...معتکف کا مسجد میں خرید و فروخت کرنا:

معتکف کو مسجد میں خرید و فروخت کرنا، ناجائز و گناہ ہے، امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک استثنائی صورت جواز کی بیان فرمائی کہ اگر معتکف کو سحر و افطار میں اپنے کھانے پینے کے لیے کسی چیز کی فوری ضرورت ہو اور وہ مقدار میں اتنی کم ہو کہ مسجد میں اس کے باعث جگہ رکنے کا اندیشہ نہ ہو، تو معتکف اسے حدودِ مسجد میں بھی خرید سکتا ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”مسجد میں کسی چیز کا مول لینا بیچنا خرید و فروخت کی گفتگو کرنا، ناجائز ہے مگر معتکف کو اپنی ضرورت کی چیز مول لینی وہ بھی جبکہ مبیع مسجد سے باہر ہی رہے مگر ایسی خفیف و نظیف و قلیل شے جس کے سبب نہ مسجد میں جگہ رکے نہ اسکے ادب کے خلاف ہو اور اسی وقت اسے اپنے افطار یا سحری کے لئے درکار ہو، استثنیتہ تفقہا لانہ ماذون لہ فی احضار ھذا قطعا ولا یؤمر بالخروج للاکل والشرب۔ **اس چیز کا استثناء میں نے بطور تفقہ کیا ہے** کیونکہ معتکف کو اس قسم کی اشیاء مسجد میں لانے کی قطعاً اجازت ہے اور اسے کھانے پینے کے لئے خروج کا حکم نہیں کیا جائے گا۔“[1]

(6)...چاند کی گواہی کا حکم:

ایسا شخص جس کی گواہی قبول ہو یا قبول ہونے کی امید ہو، اگر وہ 29 شعبان المعظم کو رمضان المبارک کا اور 29 رمضان المبارک کو عید الفطر کا چاند دیکھے، تو اس پر واجب ہے کہ اُسی رات حاکم شرع یا اس کے مقرر کردہ نمائندوں کے پاس گواہی پیش کرے، تاکہ لوگ رمضان المبارک کے روز، بے روزہ نہ اٹھیں یا عید الفطر کے دن کوئی روزہ نہ رکھ لے، یہ مسئلہ کتب فقہ

1... فتاویٰ رضویہ، ج16، ص313، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

میں مذکور ہوا، لیکن اگر کوئی شخص 29 ذیقعدہ کو ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے، تو اس پر اُسی رات گواہی دیناواجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ غیر منصوص ہے اور اس کا حکم فقہاء کرام نے بیان نہیں فرمایا۔ امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کا استنباط کیا اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص 29 ذیقعدہ کو ذی الحجہ کا چاند دیکھے، تو اُس شخص پر اُسی رات گواہی دیناواجب نہیں ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:" یلزم العدل ان یشھد عند الحاکم فی لیلۃ رؤیتہ کیلایصبحوامفطرین، وھی من فروض العین، واما الفاسق ان علم ان الحاکم یمیل الی قول الطحاوی و یقبل قولہ یجب علیہ، واما المستور ففیہ شبھۃ الرویتین (ش عن الحلوانی) اقول: واذقد تقررقبول المستور کما سیأتی فارتفع النزاع وقد افاد بمفھوم الشرح ان الفاسق لایجب علیہ ان لم یعلم ذلک وھوالذی افاد(در) عن البزازی ونبہ علیہ(ش)۔ عادل پر لازم ہے کہ اس نے جس رات چاند دیکھا ہے اسی رات حاکم کے پاس گواہی دے تاکہ لوگ صبح کو بے روزہ نہ اُٹھیں، اور یہ گواہی فرض عین ہے، اور فاسق اگر جانتا ہے کہ حاکم کا میلان طحاوی کے قول کی طرف ہے اور اس کا قول قبول کرلیتا ہے تو اس پر بھی گواہی دینا واجب ہے۔ رہا مستورالحال شخص تو اس کے بارے میں دو۲ روایات کا شبہ ہے(ش عن الحلوانی) اقول: جب مستور کے قول کا مقبول ہونا ثابت ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے تو نزاع ختم ہوگیا اور مفہوم شرح سے یہ واضح ہوا ہے اگر فاسق اس معاملہ کو نہ جانتا ہو تو اس پر گواہی لازم نہیں، یہ وُہ ہے جو (در) نے (بزازی) سے افادہ کی اور اس پر (شامی) نے تنبیہ کی۔ (ت)

پھر وجوب کا سبب یہ ہے کہ اگر دیکھنے والے نے اسی شب گواہی نہ دی تو ہلال رمضان میں صبح کو لوگ بے روزہ اٹھیں گے اور ہلال فطر میں روزہ دار۔ اور یہ دونوں ناروا جس کا الزام گواہی نہ دینے والے پر ہوگا۔ فان تاخیر الحجۃ عن وقت الحاجۃ اثم، وقد قال تعالٰی: ﴿وَلَا

تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾ کیونکہ ضرورتِ وقت سے گواہی میں تاخیر گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: گواہی کو مت چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے۔

مگر ہلال ذی الحجہ میں آٹھویں تک کوئی حاجت ایسی نہیں جو بوجہ تاخیر خلل پذیر ہو۔ بس یُوں معلوم ہو جانا چاہئے کہ فجر عرفہ سے لوگ تکبیر میں مشغول ہوں اور حجاج سامان وقوف کریں، فان اخّرالی ھذا فلا یؤخّر وقت الحاجۃ ط انما کان الاثم بہ، فلیکن التاخیر الی ھنا سابعاً ھذا ماقلتہ تفقّھا فلیحرّر۔ پس اگر یہاں تک مؤخر کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن وقت حاجت سے مؤخر نہ کرے، ط۔ کیونکہ اس سے گناہ گار ہو گا، تو یہاں تاخیر سات ذوالحجہ تک ہو سکتی ہے۔ یہ بندہ نے بطور استخراج کہا ہے، اسے محفوظ کیجئے۔ "[1]

(7)...ہندوستان دار الاسلام ہے یا نہیں؟

ہندوستان دار الاسلام ہے یا نہیں؟ یہ بھی ایک غیر منصوص مسئلہ ہے کہ ائمہ کرام سے اس کی صراحت منقول نہیں ہے، امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قواعد کی روشنی میں اس مسئلہ کا حکم مستنبط کیا اور باقاعدہ ایک رسالہ بنام "اعلام الاعلام بان ھندوستان دار الاسلام (علم کے پہاڑوں کا اعلان کہ بیشک ہندوستان دارالاسلام ہے)" تحریر فرمایا۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ہندوستان دارالاسلام ہے دارالاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو، یا اب نہیں تو پہلے تھی، اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں

1...فتاویٰ رضویہ، ج10، ص453، 452، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

شعائرِ اسلام مثل جمعہ و عیدین واذان واقامت وجماعت باقی رکھے اور اگر شعائرِ کفر جاری کئے اور شعائرِ اسلام یک لخت اٹھادئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا، اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہو جائے گا، جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہو سکتا۔ "[1]

مزید ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:"ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلٰثہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلام کے احکام و شعائر مطلقا جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں اہل اسلام جمعہ و عیدین واذان واقامت و نماز باجماعت وغیرہا شعائرِ شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق، عدۃ، رجعت، مہر، خلع، نفقات، حضانت، نسب، ہبہ، وقف، وصیت، شفعہ وغیرہا، بہت معاملات مسلمین ہماری شریعت غرا بیضاء کی بناپر فیصل ہوتے ہیں کہ ان امور میں حضرات علماء سے فتوٰی لینا اور اسی پر عمل و حکم کرنا حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگرچہ ہنود و مجوس و نصارٰی ہوں اور بحمد اللہ یہ بھی شوکت و جبروت شریعت علیہ عالیہ اسلامیہ اعلیٰ اللہ تعالیٰ حکمھا السامیہ ہے کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اتباع پر مجبور فرماتی ہے والحمد للہ رب العالمین۔"[2]

1...۔ فتاوٰی رضویہ، ج17، ص367، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن، لاہور۔

2...۔ فتاوٰی رضویہ، ج14، ص106،105، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن، لاہور۔

(8)...رُوسر کی شکر کا مسئلہ:

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں رُوسر کی شکر کا مسئلہ در پیش ہوا، اور یہ مسئلہ اُس دور کے نوپید مسائل سے تعلق رکھتا تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قواعد و اصول کی روشنی میں دس مقدمات ذکر فرما کے اس مسئلہ کا حل ارشاد فرمایا۔

(9)...دار الاسلام میں حربی غیر مستامن کا مال مباح ہے۔

مجتہد کے احکام غیر منصوص میں استنباط کی ایک مثال حربی غیر مستامن کے مال کا مسئلہ بھی ہے کہ امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے امام اعظم سے مروی اصول کہ "لا ربا بین المسلم والحربی" سے اس مسئلہ کا استنباط فرمایا کہ دار الاسلام میں بھی حربی غیر مستامن کا مال مباح ہے، بغیر غدر کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل، کلی کا حکم جزئیات میں جاری کرنے سے متعلق باب میں گزر چکی۔

(10)...اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہو تو اب اس پر عدت واجب ہو گی یا نہیں ؟

غیر منصوص احکام میں استنباط کی ایک مثال یہ ہے کہ عدت کے مسائل میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک جو عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائے اس پر عدت نہیں، تو اب ہندوستان میں یہ مسئلہ پیش آیا کہ اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہو تو اب اس پر عدت واجب ہو گی یا نہیں؟ کیونکہ یہاں ہجرت کی صورت تو نہیں پائی جارہی، جبکہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا قول مہاجرہ کے متعلق ہے۔

تو اس پر امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول کی روشنی میں استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول کا منشا یہ ہے کہ جو حربیہ عورت اسلام لائے تو اس پر عدت نہیں، چاہے مہاجرہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ عدت نکاح سابق کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے واجب کی گئی ہے، جبکہ حربی کے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں، ہمارے بلاد کے کفار بھی چونکہ حربی ہیں تو ان کی بھی جو عورت اسلام لائے گی، اس پر اصلاً عدت نہیں ہوگی، صرف ان کے اسلام لانے کے انتظار میں کچھ وقت ٹھہرے گی، اس کے علاوہ کوئی عدت واجب نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ کی تفصیل مبہمات کی صراحت کرنے سے متعلق باب میں گزر چکی۔

(11)...والد کی وفات کے بعد بڑا بھائی وصی کے حکم میں ہے یا نہیں؟

والد کی وفات کے بعد بڑا بھائی وصی کے حکم میں ہے یا نہیں؟ یہ ایک غیر منصوص مسئلہ ہے، امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بلاد کے احوال بتا کر فرمایا کہ فی زمانہ بڑا بھائی بھی وصی کے حکم میں ہے۔

چنانچہ جد الممتار میں ہے: "أقول: فبلادنا وما أدراك ما بلادنا بلاد ظلم وعدوان وديار جور وطغيان، فهاهنا إذا مات رجل وترك أولادا فتصرف الكبير في أموال اليتامى بيعا وشراء بالمعروف فحكمه كحكم الوصي فيما أرجو، (والله يعلم المفسد من المصلح) "میں کہتا ہوں: ہمارے شہر تو تجھے کیا معلوم کہ ہمارے شہر کیسے ہیں، ہمارے شہر ظلم وعداوت کے شہر ہیں، اور زیادتی وسرکشی کے گھر ہیں، لہٰذا یہاں جب کوئی شخص انتقال کر جائے اور پیچھے اولاد چھوڑے تو ان میں سے بڑا بھلائی کے ساتھ یتیموں کے مال میں بیع وشراء کے ذریعے تصرف کرے، تو اس کا حکم وصی والا ہے، اس کے مطابق جس کی میں امید کرتا ہوں، (اور اللہ بگاڑنے والے کو

سنوارنے والے سے جدا خوب جانتا ہے)۔[1]

(12)...حالتِ روزہ میں انجکشن لگوانے کا حکم:

حالتِ روزہ میں انجکشن لگوانے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ کا تعلق بھی نَو پید مسائل سے ہے۔ ہمارے علماء کرام نے قواعد و اصول کی روشنی میں اس حکم کا استنباط فرمایا کہ حالتِ روزہ میں انجکشن لگوانے کی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہو گا۔

چنانچہ فتاویٰ شارح بخاری میں ہے:"ہمارے علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اس کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ مطلقاً دوا یا غذا یا پانی کا جسم میں جانا مفسدِ صوم نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ آدمی جب نہاتا ہے، تو مسامات کے ذریعہ پانی جسم میں داخل ہوتا ہے۔ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ سر کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ دماغ تک نہیں پہنچی، تو روزہ فاسد نہیں ہو گا ۔ مدارِ کار اس پر ہے کہ دوا کسی مَنفذ کے ذریعہ پیٹ یا دماغ تک پہنچے اور جو دوا یا غذا مسامات کے ذریعہ پہنچے وہ مفسد نہیں۔ انجکشن خواہ گوشت کا ہو یا رگ کا، دماغ یا پیٹ تک منفذ کے ذریعے نہیں پہنچتا، بلکہ درمیان میں مسامات حائل ہو جاتے ہیں۔ گوشت کے انجکشن میں تو ظاہر ہے کہ دوا مسامات ہی میں داخل ہوتی ہے، رگ کے انجکشن میں بظاہر ایسا ضرور ہے کہ ابتداءً دوا رگ میں داخل ہوئی جو یقیناً منفذ ہے لیکن پیٹ یا دماغ تک پہنچنے میں مسامات حائل ہو جاتے ہیں اور ذریعہ صرف مسامات ہی رہ جاتے ہیں اس لئے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہو گا۔"[2]

1...جد الممتار، ج7، ص221، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

2...فتاویٰ شارح بخاری، ج1، ص42،41، مطبوعہ: ادارہ اھل السنہ کراچی۔

8 ظاہر، نص، مفسر اور محکم سے احکام سمجھنا

(1)... ظاہر سے مراد وہ کلام ہے جسے محض سنتے ہی اس کی مراد بغیر کسی تامل (غور وفکر) کے سامع پر واضح ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔[1] اس کلام کو اس لیے لایا گیا تاکہ کفار کے اس دعوی کی تردید ہو کہ بیع اور سود دونوں ایک ہی ہیں۔ لہٰذا اس کلام کو سنتے ہی اس کی مراد سامع پر بالکل واضح ہو گئی کہ بیع اور سود کے درمیان فرق ہے۔

(2) ... نص سے مراد کلام کو جس معنی کے لیے چلایا گیا ہو، وہ کلام اس معنی کے لئے نص کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: "تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔"[2]

یہاں کلام کو یہ بیان کرنے کے لئے چلایا گیا ہے کہ مرد ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ کتنی شادیاں کر سکتا ہے۔

(3) ... مفسر وہ کلام ہے جس کی مراد متکلم کے بیان سے ایسی ظاہر ہو کہ اس میں تاویل وتخصیص کا احتمال نہ رہے۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کہے "تَزَوَّجْتُ فُلَانَةً شَهْراً بِكَذَا" یعنی میں نے فلاں عورت سے ایک مہینے کے لیے اتنے مہر پر نکاح کیا۔ تو اس کلام میں لفظ "تَزَوَّجْتُ" سے اس

1... القرآن، پ03، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:275۔

2... القرآن، پ04، سورۃ النساء، آیت:03۔

بات کا احتمال پیدا ہورہا تھا کہ ہو سکتا ہے اس نے نکاح متعہ مراد لیا ہو لیکن جب آگے لفظ" شھرا" ذکر کیا تو اس سے متکلم کی مراد واضح ہوگئی کہ اس نے متعہ ہی کیا ہے۔

(4) ... محکم وہ کلام جس میں متکلم کی مراد مفسر سے اس قدر زیادہ ظاہر ہو کہ اس کا خلاف کسی طور پر بھی جائز نہ ہو۔ کوئی شخص اقرار کرے کہ "لِفُلَانٍ عَلَیَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ ھذَا الْعَبْدِ" یعنی فلاں کے مجھ پر اس غلام کی قیمت کے ہزار روپے ہیں تو اس شخص کا یہ کلام اس بارے میں محکم ہے کہ اس پر اس غلام کے عوض ہزار روپے ہیں۔

ہم بطورِ نمونہ ان سے استدلال کی چند امثلہ ذکر کرتے ہیں:

(1)... نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں بنفسِ نفیس اذان دی ہے یا نہیں؟

نص مفسر سے استدلال کی ایک مثال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں بنفسِ نفیس اذان دی ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق دو اقوال ہیں: ایک قول تو یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اذان دی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں دی۔

پہلے قول والوں نے ترمذی شریف کی حدیثِ پاک کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے یہ حکم اخذ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دورانِ سفر خود اذان دی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو نماز پڑھائی۔ جبکہ دوسرے قول والوں کہ دلیل یہ ہے کہ اسی طریق سے مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی۔ لہٰذا ترمذی شریف میں جو حضور علیہ السلام کی طرف اذان دینے کی نسبت کی گئی ہے وہ مجازی ہے اور اس سے مراد بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دینے کا

حکم ارشاد فرمایا تھا جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے بادشاہ نے فلاں عالم کو یہ عطیہ دیا حالانکہ وہ خود عطا نہیں کرتا، بلکہ عطا کرنے والا کوئی غیر ہوتا ہے۔

امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول والوں کی تائید میں ایک روایت بیان فرمائی جو اس بات میں نص مفسر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بنفسِ نفیس اذان دی ہے کیونکہ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے "اشھد ان محمدا رسول اللہ" کی جگہ "اشھد انی رسول اللہ" کے کلمات ادا فرمائے تھے۔ **یوں یہ نص مفسر سے استدلال کی صورت ہے۔**

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "قال فی الدر مختار وفی الضیاء انه علیه الصّلاة والسّلام اذن فی سفر بنفسه واقام وصلی الظهر وقد حققناه فی الخزائن .قال فی ردالمحتار، حیث قال بعد ماهنا هذا وفی شرح البخاری لابن حجر ومما یکثر السؤال عنه، هل باشر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الاذان بنفسه وقد اخرج الترمذی، انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذن فی سفر وصلی باصحابه وجزم به النووی وقواه، ولکن وجد فی مسند احمد من هذا الوجه فامر بلالاً فاذن فعلم ان فی روایة الترمذی اختصارا وان معنی قوله اذن امر بلالاً کمایقال اعطی الخلیفة العالم الفلانی کذا وانما باشر العطاء غیره ورأیتنی کتبت فیما علقت علی ردالمحتار ما نصه اقول لکن سیأتی صفة الصلاة عند ذکر التشهد عن تحفة الامام ابن حجر المکی انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلّم اذن مرّة فی سفر فقال فی تشهده "اشهد انّی رسول اللہ" وقد اشار ابن حجر الی صحته، وهذا نص مفسر لایقبل التأویل، وبه یتقوی تقویة الامام النووی رحمه اللہ تعالٰی ما کتبت "**درمختار میں فرمایا اور الضیاء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں بنفسِ نفیس اذان دی، تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی اور ہم نے خزائن میں اس بارے میں تحقیق**

کی ہے۔ ردالمحتار میں کہا: وہاں اس گفتگو کے بعد یہ فرمایا کہ ابنِ حجر کی فتح الباری شرح البخاری میں ہے کہ اکثر طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے؟

اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے دورانِ سفر خود اذان دی اور صحابہ کو نماز پڑھائی ، امام نووی نے اس پر جزم کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا، لیکن اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا، تو انہوں نے اذان کہی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت ترمذی میں اختصار ہے اور ان کے قول اذّن کا معنٰی یہ ہے کہ آپ نے بلال کو اذان کا حکم دیا، جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں عالم کو یہ عطیہ دیا حالانکہ وہ خود عطا نہیں کرتا بلکہ عطا کرنے والا کوئی غیر ہوتا ہے۔ مجھے اس بارے میں مزید جو سمجھ آئی اسے میں نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں تحریر کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں اقول: عنقریب صفاتِ نماز کے تحت ذکرِ تشہد میں تحفہ امام ابن حجر مکّی سے آرہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلماتِ شہادت یوں کہے اشھد انّی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابنِ حجر نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور **یہ نص مفسر ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں** اور اس سے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی اور تقویت ملتی ہے۔[1]

(2)...مرد کے لیے انگوٹھی پہننے کا حکم:

نص کے ذریعے استدلال کی ایک مثال یہ ہے کہ مرد کو صرف چاندی کی ایک انگوٹھی، ایک نگ والی، جس کا وزن ساڑھے چار ماشے سے کم ہو، پہننے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ سونے،

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج05، ص375، 374، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

پیتل، تانبے، لوہے کی انگوٹھی پہننا، ناجائز وگناہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں ان کی ممانعت وارد ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:" (ولا يتختم) إلا بالفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم (بغيرها كحجر وذهب وحديد وصفر) ورصاص وزجاج وغيرها" ملخصاً۔ چاندی سے حاجت پوری ہو جانے کی وجہ سے انگوٹھی صرف چاندی کی ہی بنائی جاسکتی ہے، لہٰذا اس کے علاوہ دیگر اشیا ، مثلاً پتھر، سونا، لوہا، پیتل، تانبا، جست وغیرہ کی انگوٹھی حرام ہے۔[1]

ردالمحتار میں ہے"(قوله ولا يتختم إلا بالفضة) هذه عبارة الامام محمد في الجامع الصغير ۔۔۔(قوله فيحرم بغيرها إلخ) لما روى الطحاوي بإسناده إلى عمران بن حصين وأبي هريرة قالا: نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن خاتم الذهب ، وروى صاحب السنن بإسناده إلى عبد الله بن بريرة عن أبيه: أن رجلا جاء إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وعليه خاتم من شبه فقال له: مالي أجد منك ريح الأصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال: مالي أجد عليك حلية أهل النار فطرحه فقال: يا رسول الله من أي شيء أتخذه؟ قال: اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا " فعلم أن التختم بالذهب والحديد والصفر حرام ۔ملخصاً "(مصنف کا قول: مرد صرف چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے) یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الصغیر میں عبارت ہے (مصنف کا قول: اس کے علاوہ حرام ہے الخ) کیونکہ امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا ہے اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن بریرہ رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ

1... تنویر الابصار و در مختار مع ردالمحتار، ج09، ص593 تا595، مطبوعہ کوئٹہ۔

علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے آئے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بو آتی ہے؟ تو انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی، پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر آئے، فرمایا: کیا بات ہے کہ تم جہنمیوں کا زیور پہنے ہوئے ہو؟ تو اسے بھی پھینکا اور عرض کی، یارسول اللہ! کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ فرمایا: چاندی کی بناؤ اور ایک مثقال پورا نہ کرو۔ الغرض اس سے معلوم ہو گیا کہ سونے، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی حرام ہے۔[1]

(3)... نمازوں کی ادائیگی، درودِ پاک کی کثرت، تعلیمِ قرآن یا حج وعمرہ کی ادائیگی کو مہر مقرر کرنا:

حق مہر میں نمازوں کی ادائیگی، درودِ پاک کی کثرت، تعلیمِ قرآن یا حج وعمرہ کی ادائیگی کو مہر مقرر کرنا، شرعاً درست نہیں ہے، یہ بھی ظاہر سے استدلال کے قبیل سے ہے کہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں اور فقہائے کرام نے فرمایا کہ مہر کا مالِ متقوم ہونا ضروری ہے کہ نص سے ثابت ہے۔ نیز مذکورہ چیزوں میں سے کسی کو مہر مقرر کرنے کی صورت میں مہرِ مثل واجب ہو گا۔ مہرِ مثل سے مراد والد کی طرف سے جو عورت کا خاندان ہے، اس خاندان کی اس جیسی عورتوں (مثلاً: بہن، پھوپھی، چچازاد بہنوں) کا نکاح میں جو مہر مقرر ہوا وہی مہر اس عورت کے لیے مہرِ مثل ہو گا۔

مبسوط للسرخسی میں ہے: "اشتراط صفة المالية في الصداق ثابت بالنص وهو قوله تعالٰی: ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ "یعنی مہر میں صفتِ مالیت کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور وہ نص اللہ پاک کا فرمان ہے: کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔[2]

ردالمحتار میں ہے: "يجب مهر المثل فيما لو تزوجها على ان يعلمها القرآن او نحوه من الطاعات لان المسمى ليس بمال "یعنی اگر عورت سے تعلیمِ قرآن دینے یا اس جیسے کسی نیک کام

1... ردالمحتار، ج09، ص593، 594، مطبوعہ کوئٹہ۔

2... المبسوط للسرخسی، ج5، ص106، مطبوعہ: دارالمعرفۃ، بیروت۔

پر نکاح کیا تو مہرِ مثل واجب ہو گا، کیونکہ جو چیز بیان کی گئی وہ مال نہیں ہے۔[1]

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"جو چیز مالِ متقوم نہیں وہ مہر نہیں ہو سکتی اور مہرِ مثل واجب ہو گا، مثلاً: مہر یہ ٹھہرا کہ آزاد شوہر عورت کی سال بھر خدمت کرے گا یا یہ کہ اسے قرآن مجید یا علمِ دین پڑھادے گا یا حج وعمرہ کرادے گا۔"[2]

مہرِ مثل کے متعلق صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:" عورت کے خاندان کی اُس جیسی عورت کا جو مہر ہو، وہ اُس کے لیے مہر مثل ہے، مثلاً: اس کی بہن، پھوپھی، چچا کی بیٹی وغیرہا کا مہر۔"[3]

(4)... حقیقی بیٹے کے فوت ہونے یا طلاق دینے کے بعد، باپ کا اس کی بیوی یعنی اپنی بہو سے نکاح کرنا:

نص کے ذریعے استدلال کی ایک مثال یہ ہے کہ حقیقی بیٹے کے فوت ہونے یا طلاق دینے کے بعد، باپ کا اس کی بیوی یعنی اپنی بہو سے نکاح کرنا، ناجائزو حرام اور گناہ ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس کے نکاح کرتے ہی وہ عورت اس شخص کے باپ پر حرام ہو جاتی ہے ،خواہ اس نے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو ، کیونکہ قرآن پاک میں واضح طور پہ حقیقی بیٹوں کی بیویوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس میں ہمبستری کی شرط نہیں لگائی گئی ۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ ترجمہ کنز العرفان : اور(تم پر حرام کی گئی

1... ردالمحتار، ج04، ص230، مطبوعہ کوئٹہ۔

2... بہارِ شریعت، ج2، ص65، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

3... بہارِ شریعت، ج2، ص71، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

ہیں)تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں۔[1]

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:" فحليلة الابن وهي زوجته حرام على الأب سواء دخل بها الابن أو لم يدخل لاطلاق النص على الدخول "ترجمہ:بیٹے کی بیوی باپ پر حرام ہے ،برابر ہے کہ بیٹے نے بیوی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو،کیونکہ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ،ان میں بیٹے کی بیوی کے داخل ہونے پر نص مطلق ہے۔[2]

(5)...بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے بیوی کی بہن سے نکاح کا حکم:

نص کے ذریعے استدلال کی ایک مثال بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے سالی یعنی بیوی کی بہن سے نکاح کرنے کا حکم بھی ہے کہ فقہائے کرام نے قرآنِ کریم کی نص سے یہ حکم بیان فرمایا کہ بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے سالی یعنی بیوی کی بہن سے نکاح کرنا حرام قطعی ہے، خواہ سالی کنواری ہو یا طلاق یافتہ ہو یا بیوہ ہو۔

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ"عالم حیاتِ زوجہ میں حقیقی سالی یا رشتہ کی سالی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟"آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تاحیاتِ زوجہ جب تک اسے طلاق ہوکر عدت نہ گزرجائے اس کی بہن سے جو اس کے باپ کے نطفے یا ماں کے پیٹ سے یا دودھ شریک ہے ، نکاح حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ (یعنی: حرام کیا گیا ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔) "[3]

1...القرآن، پ4، سورۃ النساء، آیت 23۔

2...عنایہ شرح ہدایہ، ج3، ص212، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت۔

3...فتاویٰ رضویہ، ج 11، ص315،314، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن، لاہور۔

فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:"جب ایک بہن نکاح میں ہو تو دوسری بہن سے نکاح حرام ہے اور اس کی حرمت ایسی نہیں کہ کسی امام نے اپنے اجتہاد سے نکالی ہو جس میں دوسرے امام کو خلاف کی گنجائش ہو **بلکہ اس کی حرمت قرآن عظیم نے خاص اپنی نص واضح صریح سے ارشاد فرمائی ہے کہ**﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ **اور تم پر حرام کی گئی یہ بات کہ دو بہنوں کو نکاح میں اکھٹی کرو۔** تو جس طرح آدمی پر ماں، بہن، بیٹی حرام ہیں اسی طرح دو بہنوں کو جمع کرنا اس پر حرام ہے۔"[1]

(6)...بدمذہبوں کے پاس بیٹھنے، ان سے رشتہ رکھنے کا حکم:

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے روافض و بدمذہبوں کے پاس بیٹھنے، ان سے رشتہ رکھنے کے متعلق سوال ہوا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً اس کا جواب ارشاد فرمایا اور آخر میں حدیث مبارک سے اس پر استدلال فرمایا، یہ بھی نص کے ذریعے استدلال کے قبیل سے ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:" رافضی وغیرہ بدمذہبوں میں جس کی بدعت حدکفر تک پہنچی ہو وہ تومرتد ہے اس کے ساتھ کوئی معاملہ مسلمان بلکہ کافرذمی کے مانند بھی برتاؤ جائزنہیں، مسلمانوں پرلازم ہے کہ اُٹھنے بیٹھنے کھانے پینے وغیرہا تمام معاملات میں اسے بعینہ مثل سوئر کے سمجھیں اور جس کی بدعت اس حد تک نہ ہو اس سے بھی دوستی محبت تو مطلقاً نہ کریں۔قال اللہ تعالی : ﴿وَمَن یَتَوَلَّهُمْ مِّنكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا، تو وہ یقینا انہی میں سے ہوگا۔اور بے ضرورت ومجبوری محض کے خالی میل جول بھی نہ رکھیں کہ بدمذہب کی

1... فتاویٰ خلیلیہ، ج 01، ص544، مطبوعہ: ضیاء القران، لاہور۔

محبت آگ ہے اور صحبت ناگ اور دونوں سے پوری لاگ۔رب عزوجل فرماتاہے : ﴿ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾اگرتجھے شیطان بھلاڈالے ،تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔

جاہل کو ان کی صحبت سے یوں ا جتناب ضرورہے کہ اس پراثربد کازیادہ اندیشہ ہے اور عام مقتدا، یوں بچے کہ جہال اسے دیکھ کو خود بھی اس بلا میں نہ پڑیں بلکہ عجب نہیں کہ اسے ان سے ملتادیکھ کر ان کے مذہب کی شناعت ان کی نظروں میں ہلکی ہوجائے....۔

ابن حبان عقیلی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں : ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابا واصھارا وسیأتی قوم لیسبونھم و ینتقصونھم فلا تجالسوھم و لا تشاربوھم و لا تواکلوھم ولا تناکحوھم ۔ بیشک اللہ عزوجل نے مجھے چن لیا اور میرے لئے یار اور خسرال کے رشتہ دار پسندفرمائے اور عنقریب کچھ لوگ آئیں گے کہ انہیں براکہیں گے اور ان کی شان گھٹائیں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی پینانہ کھاناکھانا نہ شادی بیاہ کرنا۔ **یہ حدیث نص صریح ہے**، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عمل بخشے۔ آمین! واللہ تعالیٰ اعلم۔ "[1]

(7)...بھائی کی رضاعی بیٹی سے نکاح ہوسکتاہے یانہیں؟

بھائی کی رضاعی بیٹی سے نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے

1...۔ فتاویٰ رضویہ،ج24،ص321،320،مطبوعہ:رضافاؤنڈیشن لاہور۔

نصوص قطعیہ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائی کی رضائی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے، یہ بھی نص کے ذریعہ استدلال کی صورت ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:" صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور صحیح مسلم میں امیرا لمومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ہے، انھوں نے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ! حضور کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت نوجوان ہیں حضور چاہیں تو ان سے نکاح فرمالیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:" انھا لاتحل لی انھا ابنۃ اخی من الرضاعۃ ویحرم من الرضاعۃ مایحرم من الرحم ۔"وہ میرے لیے حلال نہیں وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، اور جو کچھ نسبی رشتہ سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔دوسری حدیث کے لفظ یہ ہیں:" اما علمت ان حمزۃ اخی من الرضاعۃ وان اللہ حرم من الرضاعۃ ماحرم من النسب " تمھیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ نے جو رشتے نسب سے حرام فرمائے وہ دودھ سے بھی حرام فرمائے ہیں۔

صاف اشارہ ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے جب بھائی نے اپنی بہن کا دودھ پیا تو وہ اپنی بہن کے بیٹے کا رضاعی بھائی ہوگیا تو اس کی بیٹی بہن کے بیٹے کے لیے کیونکر حلال ہوسکتی ہے!

نیز صحیحین میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درہ بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے

میں فرمایا:" لولم تکن ربیبتی ماحلت لی ارضعتنی واباھا ثویبة "یعنی اول تو میری ربیبہ ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی ہے اور اگر ربیبہ نہ بھی ہوتی جب بھی میرے لیے حلال نہ ہوتی کہ اس کے باپ ابو سلمہ میرے رضاعی بھائی تھے مجھے اور ان کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم ۔**یہ بھی اُسی طرح نص صریح ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے۔**"[1]

(8)... مختلف پتھروں اور نگینوں والی انگوٹھیاں پہننے کا حکم:

نص کے ذریعے استدلال کی ایک مثال مختلف پتھروں اور نگینوں والی انگوٹھیاں بھی ہیں کہ ملا خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ مردوں کے لئے چاندی کی ہر قسم کے پتھروں والی انگوٹھیاں پہننا جائز ہیں اور انہوں نے شمس الائمہ اور امام قاضیخان رحمہما اللہ کا حوالہ دیا کہ وہ اس کے جواز کے قائل اور اس پر نص صریح سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیق کو مردوں کے لئے حلال قرار دیا ہے۔یہ ذکر کرنے کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صاحب ہدایہ اور صاحب کافی کے نزدیک ایسی انگوٹھیاں حرام ہیں، اور ان کی دلیل امام محمد رحمہ اللہ کی ایک عبارت محتملہ ہے جو کہ جامع الصغیر میں موجود ہے۔

تو اس پر امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ جد الممتار میں فرمایا کہ پتھروں والی انگوٹھیوں کا جواز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نص صریح سے ثابت ہے، جبکہ اس کا حرام ہونا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت محتملہ سے، لہذا نص صریح سے ثابت مسئلہ کو ترجیح حاصل ہو گی اور اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔

1... فتاویٰ رضویہ، ج11، ص492، 491، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

چنانچہ رد المحتار میں ہے:" (وعمم ملا خسرو) أي: عمم جواز التختم بسائر الاحجار، حيث قال: ان التختم بالفضة حلال للرجال بالحديث وبالذهب والحديد والصفر حرام عليهم بالحديث، وبالحجر حلال على اختيار شمس الائمه وقاضيخان اخذا من قول الرسول وفعله، لان حل العقيق، لما ثبت بهما ثبت حل سائر الاحجار، لعدم الفرق بين حجر و حجر و حرام على اختيار صاحب الهدايه والكافي اخذا من عبارة الجامع الصغير المحتملة۔ ملخصاً" ملا خسرو نے بالعموم ہر قسم کے پتھروں والی انگوٹھیوں کو جائز قرار دیا ہے، جہاں انہوں نے یہ فرمایا کہ مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی حدیث کی وجہ سے حلال ہے اور سونے، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی حدیث کی وجہ سے حرام ہے، اور پتھر والی انگوٹھی شمس الائمہ اور قاضیخان کے مذہب مختار پر حلال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل کو لیتے ہوئے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیق کو حلال قرار دیا، تو اس سے تمام پتھروں کی حلت ثابت ہوگئی، کیونکہ پتھروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اور صاحب ہدایہ اور صاحب کافی کے مذہب مختار پر یہ حرام ہے، امام محمد رحمہ اللہ کی ایک عبارت محتملہ کو لینے کی وجہ سے۔[1]

اس پر امام اہل سنت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالنص الصریح وھذا عن عبارۃ الامام محمد المحتملۃ " اور پتھر والی انگوٹھی کا حلال ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نص صریح کے ساتھ ثابت ہے، جبکہ حرام ہونا امام محمد رحمہ اللہ کی ایک عبارت محتملہ سے۔[2]

1...۔ رد المحتار مع در مختار، ج09، ص594، مطبوعہ کوئٹہ۔

2...۔ جد الممتار، ج07، ص42، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

(9)...ضرورتاً سونے کی ناک لگوانا:

ضرورتاً سونے کی ناک لگوانا یہ بھی نص سے استدلال کی مثال ہے کہ جب علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے رد المحتار میں اس مسئلے کو بیان فرمایا تو بطورِ دلیل ایک حدیث پاک کو پیش کیا کہ اس حدیث پاک کے پیشِ نظر سونے کی ناک لگوانے کا جواز ہے۔

چنانچہ رد المحتار میں ہے:"فجوز الانف من الذهب لضرورة ...واصل ذلک ما روی الطحاوی باسناده الی عرفجة بن سعد (انه اصیب انفه یوم الکلاب فی الجاهلیة فاتخذ انفا من ورق فانتن علیه ،فامره النبی صلی الله علیه وسلم ان یتخذ انفا من الذهب ،ففعل "ضرورتاً سونے کی ناک لگوانا جائز ہے، اور اس کی اصل وہ روایت ہے جسے امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ عرفجہ بن سعد کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جنگ کلاب کے دن ان کی ناک کٹ گئی، تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوالی، پھر اس میں بدبو آگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا، تو انہوں نے سونے کی ناک لگوالی۔[1]

9 مقدمات منصوصہ سے نتیجے کا استخراج

مقلدین فقہاء اصولِ استنباط کی روشنی میں ائمہ کے بیان کردہ قواعد اور مقدمات کو بروئے کار لاکر ایسے شرعی احکام بیان کرتے ہیں جو ان ائمہ سے صراحتاً یا براہ راست منقول نہیں ہوتے، اس عمل میں مقلدین فقہاء اصولی استدلال کے ذریعے شریعت کے عمومی قواعد، اصولوں اور مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے مسائل واحکام کا استخراج کرتے ہیں۔

1...رد المحتار، ج09، ص598، مطبوعہ کوئٹہ۔

ہم ذیل میں اس کی چند امثلہ پیش کرتے ہیں:

(1)... مقدماتِ منصوصہ سے افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ثبوت:

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بکثرت قرآن و احادیث سے دلائل پیش فرمائے ہیں، وہیں آپ نے قیاس استثنائی کی رعایت کرتے ہوئے مقدمات منصوصہ سے بھی افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم کا استخراج فرمایا۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "آیت اولیٰ کا مفاد ہمارا یہ قول ہے کہ کل اکرم اتقی (یعنی ہر اکرم سب سے بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض ہمارا یہ قول ہے کہ من لیس باتقی لیس باکرم (جو اتقی (سب سے بڑا متقی) نہیں ہے وہ اکرم نہیں ہے) اور ہم نے ان کلمات میں جو ہم پہلے کہہ چکے عرش تحقیق کو ثابت کر دیا کہ مراد اتقی سے آیت ثانیہ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے قول ﴿وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی شخص مراد ہے، تو ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور نہ تقوٰی میں اس کے کوئی مساوی ہو۔ جب یہ ثابت ہو گیا، تو ہم کہتے ہیں کہ ہر صحابی ابو بکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ متقی نہیں، وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر صحابی ابو بکر سے زیادہ عزت والا نہیں اور اس قیاس کا صغرٰی معدولہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اداتِ ربط کو حرفِ سلب پر مقدم کر کے اشارہ کیا اور تمہیں اختیار ہے کہ تم اس قضیہ کو موجبہ سالبۃ المحمول بناؤ یعنی متاخرین میں سے ایک قوم کے قول پر اور تمہاری رہنمائی اس بات کی طرف جو تمہارے وہم کو دور کر دے سلب کو کبرٰی میں افراد اوسط کے لیے مراۃ ملاحظہ بنانے سے

ہو گی۔ اور اگر تم چاہو تو آیتِ اولیٰ کا عکس نہ کرو اور شکل کو آیتِ ثانیہ کے طرز پر منتظم کرو بایں طور کہ تم کہو کہ کوئی صحابی ابو بکر سے بڑھ کر عزت والا نہیں۔ اور شاید تم اس کو قیاس استثنائی کے طور پر مقرر رکھو جو مقدم کو ارتفاع تالی کی وجہ سے مرتفع کر دے تو تم یوں کہو امت میں اگر کوئی صدیق سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو وہ ضرور صدیق سے بڑھ کر متقی ہوتا اس لیے کہ ہر اکرم اتقی ہے لیکن ساری امت صدیق سے بڑھ کر متقی نہیں بدلیل آیت ثانیہ۔ تو وہ صدیق سے بڑھ کر عزت والے نہیں اور اسی میں ہمارا مقصود ہے۔ "[1]

(2)...ہبہ بالعوض:

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک جائیداد کے وقف مشروط کے حوالہ سے سوال ہوا، جس میں ابتداء ہبہ بالعوض پایا جارہا تھا اور ہبہ بالعوض کے اعتبار سے جو نتیجہ اور حکم سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا، وہ ائمہ سے منصوص نہیں تھا، لیکن آپ نے بیع کے متعلق ائمہ سے منصوص مقدمات سے استدلال کرتے ہوئے اس کے حکم کا استخراج کیا۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کسبی تائبہ کو کچھ جائیداد پاک بعوض دین مہر کے ملی ہے یہ اس کے تئیں وقف کیا چاہتی ہے اور متولی خود اپنی حیات میں آپ ہونا چاہتی ہے اور بعد کو دوسرے کو کیا چاہتی ہے، آیا یہ وقف کر سکتی ہے یا نہیں؟ مگر اس جائیداد میں ایک قید یہ لگی ہے کہ حین حیات اس نے پائی ہے بعد کو جس سے ملی ہے اسی پر عود کرے گی تو اس صورت سے وقف دوامی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور دوامی نہ کر سکے تو حین حیات اپنی وقف کر سکتی ہے

1... فتاویٰ رضویہ، ج28، ص658 تا660، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

یا نہیں؟ اور حین حیات وقف کر کے کسی دوسرے کو متولی کر سکتی ہے یا نہیں؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ایسے مقدمات جو ائمہ سے منصوص ہیں، انہیں ذکر کر کے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: **"جائیداد مہر میں دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے، اور بعد وفات شرط واپسی شرط فاسد ہے، اور بیع شروط فاسدہ سے فاسد وحرام ہو جاتی ہے، اس کا فسخ کرنا بائع ومشتری دونوں پر فرض ہوتا ہے، اور ان میں کسی کے مرنے سے یہ حکم فسخ زائل نہیں ہوتا، اگر نہ فسخ کریں تو گنہگار رہتے ہیں اور عقد فاسد سے جو جائیداد خریدی جائے مشتری اگرچہ بعد قبضہ اس کا مالک ہو جاتا ہے مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس کا ازالہ واجب ہوتا ہے،** علماء کو اختلاف ہے کہ اسی حالت پر اگر مشتری اسے وقف کر دے تو وقف صحیح ولازم ہو جائے گا صرف واقف کے ذمہ اس عقد فاسد کو فسخ نہ کرنے کا گناہ رہے گا جو بے توبہ نہ جائے گا یا وقف ہی مسلم نہ ہو گا بلکہ توڑ دیا جائے گا اور وہ شیئ بائع یا اس کے ورثہ کو دی جائے گی جب تک واقف نے اس میں تعمیر وغیرہ زیادت سے حق فسخ کو زائل نہ کر دیا ہو۔ در مختار و ردالمحتار و منح الغفار وغیرہ میں قول اول اختیار کیا اور اصح اور ظاہر الروایۃ قول ثانی ہے، کما حققنا کل ذٰلک فیما علقنا علی ردالمحتار من اوّل کتاب الوقف فراجعہ فانہ مہم۔ (جیسا کہ ردالمحتار کی کتاب الوقف کے ابتداء میں حاشیہ پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے، لہٰذا اسے دیکھا جائے کیونکہ ضروری بحث ہے۔)

بہر حال اس وقف میں عورت کے لئے خیر نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ عقد یعنی معاوضہ مہر میں جائیداد کا لینا فسخ کرے اور از سر نو وارثان شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے، اگر ادا کر دیں فبہا ورنہ اس جائداد سے وصول کرے، اور اگر سمجھے کہ یوں نہ ملے گا اور مقدار مہر قیمت

جائیداد سے زائد یا مساوی ہوں تو مذہب مفتٰی بہ بطور خود اس جائیداد کو اپنے مہر میں لے لے۔ وھی مسئلة الظفر بخلاف جنس الحق وقد حققها فی ردالمحتار وان الفتوی الآن علی جواز الاخذ (یہ کسی کے پاس اپنے حق پر خلاف جنس کے ذریعہ کامیابی کی بحث ہے، اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے اور موجودہ دور میں جبراً لے لینے کے جواز پر فتوٰی ہے۔) یوں مالک ہو کر وقف تام ابدی کرے وقف کسی وقت خاص تک مقید نہیں ہو سکتا، لان من شرطه التابید۔ "[1]

(3)...مسئلہ رُوسر اور مقدمات عشرہ:

رُوسَر انگریزوں کی ایک کمپنی تھی، جس میں شکر بنائی جاتی تھی۔ اس کمپنی میں جانوروں کی ہڈیاں جلا کر اس کے کوئلوں اور برادوں سے شکر صاف کی جاتی تھی، جس میں یہ احتیاط نہیں کی جاتی تھی کہ وہ ہڈیاں پاک ہیں یا ناپاک۔ حلال جانوروں کی ہیں یا مردار کی؟ نیز اس کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ اس میں شراب بھی پڑتی تھی یا ان چیزوں کا اس میں استعمال ہوتا تھا جن میں شراب کی آمیزش ہوتی تھی۔ اس کمپنی سے تیار شدہ شکر کے بارے شرعی فیصلہ ایک حساس مسئلہ بن چکا تھا، چناں چہ اس بارے میں فقیہ فقید المثال امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے ایک استفتا کیا گیا اور آپ سے اس کے استعمال کا شرعی حکم دریافت کیا گیا۔

استفتاء ذیل میں ملاحظہ کریں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رُوسر کی شکر کہ ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک، حلال جانور کی ہوں یا مردار کی اور سُنا گیا کہ اُس میں شراب بھی پڑتی

1...فتاوٰی رضویہ، ج16، ص114، 113، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ہے اسی طرح کل کی برف اور کل کی وہ چیزیں جن میں شراب کا لگاؤ سُنا جاتا ہے شرعاً کیا حکم رکھتی ہیں؟ بینوا توجروا

یہ استفتا بظاہر بہت مختصر تھا، سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تو اس کا مختصر جواب تحریر فرما کر سائل کو حکم شرعی سے آگاہ فرما دیتے، مگر ایک نیا پیش آمدہ اور تازہ ترین مسئلہ ہونے کے سبب اس سلسلے میں بکثرت سوالات آرہے تھے اور اس میں علماء کرام کی آراء بھی مختلف تھیں، اس لیے آپ نے مسئلہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے اپنے منصب کے اعتبار سے بھر پور فقیہانہ شان اور مجتہدانہ رنگ کا جلوہ بکھیرا اور پوری تحقیق کے ساتھ اس کا نہایت مفصل اور تحقیقی جواب تحریر فرمایا جو کہ فتاویٰ رضویہ قدیم کے تقریباً 38 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا تاریخی نام "الاحلی من السکر لطلبۃ سکردوسر" ہے۔ آپ اپنے رسالہ کے آغاز میں قلم بند فرماتے ہیں:

اما بعد : اس مسئلہ سے سوال متکر ر آیا اور آرائے عصر کو مضطرب پایا اور حاجت ناس ، اس طرف ماس اور دفع ہَوا جس نہایت ضرور اور کف وساوس اہم امور ،لہٰذا مناسب کہ بحول الواہب اس تازہ فرع کی تحقیق و تنقیح اور حکم شرع کی توضیح و تصریح اس نہج نجیح وطر زرجیح کے ساتھ عمل میں آئے کہ نہ صرف اسی مسئلہ تازہ بلکہ اس قسم کی تمام جزئیات بے اندازہ کا حکم واضح وآشکار ہوجائے۔"[1]

جواب سے پہلے آپ نے دس مقد مے بطور تمہید بیان کیے اور ہر مقدمہ کا ثبوت احادیث کریمہ اور تصریحات فقہاء سے پیش کیا، اور ان مقدمات عشرہ وقواعد کلیہ

1... فتاویٰ رضویہ، ج4، ص474، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

کی روشنی میں آپ نے اس کمپنی سے تیار کردہ شکر کے بارے میں تحقیقی وتفصیلی جواب دیا۔

وہ مقدماتِ عشرہ درج ذیل ہیں۔

مقدمہ اُولیٰ:

ہڈیاں ہر جانور یہاں تک کہ غیر ماکول و نا مذبوح کی بھی مطلقاً پاک ہیں جب تک ان پر ناپاک دسومت (چکنائی) نہ ہو ،سوا خنزیر کے کہ نجس العین ہے اور اس کا ہر جزوِ بدن ایسا ناپاک کہ اصلاً صلاحیتِ طہارت نہیں رکھتا اور دسومت میں قید ناپاکی اس غرض سے ہے کہ مثلاً جو جانور خون سائل نہیں رکھتے اُن کی ہڈیاں بہرحال پاک ہیں اگرچہ دسومت آمیز ہوں کہ ان کی دسومت بوجہ عدم اختلاط دم خود پاک ہے تو اس کی آمیزش سے استخواں کیونکر ناپاک ہوسکتے ہیں۔مگر حلال و جائز الاکل صرف جانور ماکول اللحم مذکی یعنی مذبوح بذبح شرعی کی ہڈیاں ہیں حرام جانور اور ایسے ہی جو بے ذکاۃ شرعی مرجائے یا کاٹا جائے بجمیع اجزائہ حرام ہے اگرچہ طاہر ہوکہ طہارت مستلزمِ حلت نہیں جیسے سنکھیا بقدر مضرت اور انسان کا دودھ بعد عمر رضاعت اور مچھلی کے سوا جانورانِ دریائی کا گوشت وغیر ذلک کہ سب پاک ہیں اور باوجود پاکی حرام۔

مقدمہ ثانیہ:

شریعتِ مطہرہ میں طہارت وحلّت اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں اور حرمت ونجاست عارضی کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے اُن کا اثبات ناممکن کہ طہارت وحلت

پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اُس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور ،نزاظن لاحق یقین سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا یہ شرع شریف کا ضابطہ عظیمہ ہے جس پر ہزارہا احکام متفرع، یہاں تک کہ کہتے ہیں تین چوتھائی فقہ سے زائد اس پر مبتنی اور فی الواقع جس نے اس قاعدہ کو سمجھ لیا وہ صدہا وساوس ہائلہ وفتنہ پردازی اوہام باطلہ ودست اندازی ظنون عاطلہ سے امان میں رہا۔

اور یہ نفیس ضابطہ نہ صرف اسی قسم کے مسائل میں بلکہ ہزارہا جگہ کام دیتا ہے جب کسی کو کسی شے پر منع وانکار کرتے اور اُسے حرام یا مکروہ یا ناجائز کہتے سنو جان لو کہ بار ثبوت اُس کے ذمّہ ہے جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اُس کا دعوٰی اُسی پر مردود اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لئے تمسک باصل موجود، علماء فرماتے ہیں یہ قاعدہ نصوص علیہ احادیث نبویہ علی صاحبھا افضل الصلاۃ والتحیۃ وتصریحات جلیہ حنفیہ وشافعیہ وغیرہم عامہ علما وائمہ سے ثابت یہاں تک کہ کسی عالم کو اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔

مقدمہ ثالثہ:

احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ وثبوت کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر افترا کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجت مُبیِّن خود مبیَّن۔

مقدمہ رابعہ:

بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکامِ شرع کی مناط ومدار نہیں ہوسکتی بہت خبریں

بے سروپا ایسی مشتہر ہوجاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں یا ہے تو بہزار۱۰۰۰ تفاوتِ اکثر دیکھا ہے ایک خبر نے شہر میں شہرت پائی اور قائلوں سے تحقیق کیا تو یہی جواب ملا کہ سُنا ہے نہ کوئی اپنا دیکھا بیان کرے نہ اُس کی سند کا پتا چلے کہ اصل قائل کون تھا جس سے سُن کر شدہ شدہ اس اشتہار کی نوبت آئی یا ثابت ہُوا تو یہ کہ فلاں کا فرمایا فاسق منتہائے اسناد تھا پھر معلوم ومشاہد کہ جس قدر سلسلہ بڑھتا جاتا ہے خبر میں نئے نئے شگُوفے نکلتے آتے ہیں زید سے ایک واقعہ سُنیے کہ مجھ سے عمرو نے کہا تھا عمرو سے پُوچھیے تو وہ کچھ اور بیان کرے گا۔ بکر سے دریافت ہوا تو اور تفاوت نکلا ۔علی ھذا القیاس۔

مقدمہ خامسہ:

حلت حرمت طہارت نجاست احکامِ دینیہ ہیں ان میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

مقدمہ سادسہ:

کسی شے کا محل احتیاط سے دور یا کسی قوم کا بے احتیاط وشعور اور پروائے نجاست و حرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے یا اُس قوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقاً ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں کہ اس سے اگر یقین ہُوا تو اُن کی بے احتیاطی پر اور بے احتیاطی مقتضی وقوع دائم نہیں پھر نفس شے میں سوا ظنون وخیالات کے کیا باقی رہا جنہیں امثال مقام میں شرع مطہر لحاظ سے ساقط فرماچکی کماذکرنافی المقدمۃالثانیۃ (جیسا کہ ہم نے دوسرے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔)

مقدمہ سابعہ:

شدّت بے احتیاطی جس کے باعث اکثر احوال میں نجاست وآلودگی کا غلبہ وقوع وکثرت شیوع ہو بیشک باعثِ غلبہ ظن اور ظن غالب شرعاً معتبر اور فقہ میں مبنائے احکام، مگر اس کی دو۲ صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جانب راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق واعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کردے اور محض ناقابل التفات سمجھے گویا اُس کا عدم وجود یکساں ہو ایسا ظن غالب فقہ میں ملحق بیقین کہ ہر جگہ کار یقین دے گا اور اپنے خلاف یقین سابق کا پُورا مزاحم ورافع ہوگا اور غالباً اصطلاحِ علما میں غالب ظن واکبر رای اسی پر اطلاق کرتے ہیں۔

دُوسرے یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے بلکہ اُدھر بھی ذہن جائے اگرچہ بضعف وقلّت یہ صورت نہ یقین کا کام دے نہ یقین خلاف کا معارضہ کرے بلکہ مرتبہ شک وتردّد ہی میں سمجھی جاتی ہے کلماتِ علماء میں کبھی اسے بھی ظنِ غالب کہتے ہیں اگرچہ حقیقۃً یہ مجرد ظن ہے نہ غلبہ ظن۔

مقدمہ ثامنہ:

کسی شے کی نوع وصنف میں بوجہ ملاقات نجس یا اختلاط حرام نجاست وحرمت کا تیقن اُس کے ہر فرد سے منع واحتراز کا موجب اُسی وقت ہوسکتا ہے جب معلوم ومحقق ہوکر یہ ملاقات واختلاط بروجہ عموم وشمول ہے مثلاً جس شے کی نسبت ثابت ہوکہ اس میں شراب یا شحم خنزیر پڑتی ہے اور بنانے والوں کو اس کا التزام ہے تو اس کا استعمال کلیۃً ناجائز وحرام ہے اور وہاں اس احتمال کو گنجائش نہ دیں گے کہ ہم نے یہ

فرد خاص مثلاً خود بنتے ہوئے نہ دیکھی نہ خاص اس کی نسبت معتبر خبر پائی ممکن کہ اس میں نہ ڈالی گئی ہو کہ جب علی العموم التزام معلوم تو یہ احتمال اُسی قبیل سے ہے جسے قلب قابل قبول والتفات نہیں جانتا اور بالکل متضائل و مضمحل مانتا ہے اور ہم پہلے کہہ چکے کہ ایسا احتمال کچھ کارآمد نہیں نہ وہ ظن غالب کو مساوات یقین سے نازل کرے تو اصل طہارت کا یقین اس غلبہ ظن سے ذاہب وزائل ہوگیا مگر یہ کہ اس فرد خاص کی محفوظی کسی ایسے ہی یقین سے واضح ہوجائے تو البتہ اس کے جواز کا حکم دیا جائے گا ولہٰذا علماء نے فرمایا دیبائے فارسی ناپاک اور اُس سے نماز محض ناجائز کہ وہ اس کی چمک بھڑک زیادہ کرنے کو پیشاب کا خلط کرتے ہیں اور پھر دھوتے یوں نہیں کہ رنگ کٹ جائے گا۔

مقدمہ تاسعہ:

جب بازار میں حلال وحرام مطلقاً یا کسی جنس خاص میں مختلط ہوں اور کوئی ممیز وعلامت فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شَے میں احتمالِ حلت قائم اور رخصت واباحت کو اسی قدر کافی، یہ دعوٰی بھی ہماری تقریرات سابقہ سے واضح اور خود ملاذِ مذہب ابوعبداللہ شیبانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے اُس پر نص فرمایا۔

مقدمہ عاشرہ:

حضرت حق جل وعلا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں

جو واقع ونفس الامر میں طاہر وحلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطہ قدرت سے ورا۔[1]

پھر اخیر میں نو پید مسائل کے حکم شرعی دریافت کرنے کے لیے ان مقدمات کی افادیت و اہمیت اجاگر کرتے ہوئے ایک گراں قدر تنبیہ تحریر فرمائی ، جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ان مقدمات عشرہ کو ذہن نشیں کر لے گا اور خوب خوب سمجھ لے گا تو وہ اس قسم کے تمام جزئیات کے شرعی احکام خود جان سکتا ہے۔

چنانچہ امام اہلسنت، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:" **تنبیہ:** فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے ان مقدماتِ عشرہ میں جو مسائل و دلائل تقریر کیے، جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ ، نان پاؤ، رنگ کی پڑیوں ، یورپ کے آئے ہوئے دودھ مکھن ، صابون، مٹھائیوں وغیر ہا کا حکم خود جان سکتا ہے، غرض ہر جگہ کیفیت خبر و حالت مخبر و حاصل واقعہ وطریقہ مداخلت حرام و نجس و تفر قہ ظن و یقین، مدارج ظنون و ملاحظہ ضابطہ کلیہ و مسالک ورع و مدارات خلق و غیر ہاامور مذکورہ کی تنقیح و مراعات کر لیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر سابقہ سے واضح نہ ہو جائے۔"[2]

(4)...حقہ پینے کا حکم:

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا حقہ پینا یا تمبا کو کھانا کیسا ہے ؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تفصیلی کلام کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ الحاصل معمولی حقہ کے حق میں تحقیق حق اور حق تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز ومباح اور غایت درجہ صرف مکروہ تنزیہی ہے یعنی جو نہیں

1...ملخص از فتاویٰ رضویہ، ج4، ص475تا512، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن لاہور۔

2...فتاویٰ رضویہ، ج4، ص552، مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن لاہور۔

پیتے وہ اچھا کرتے ہیں اور جو پیتے ہیں برا نہیں کرتے۔

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ممانعت کی صورت بیان فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منہ میں بدبو ہو تو مسجد میں جانے کی اجازت نہیں ہے، لہذا اگر کسی نے ایسا حقہ پیا جس میں منہ میں بدبو ہوتی ہو تو بو زائل کرنے سے پہلے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں ہو گی، اسی طرح ایسا حقہ جو منہ میں ایسی بدبو پیدا کرے کہ کلی سے بھی جلدی زائل نہ ہو تو ایسا حقہ جماعت کے قریب اوقات میں پینا جائز نہیں ہے اور اس مسئلے کا یوں استدلال فرمایا کہ اس صورت میں ایسا حقہ پینا ترک جماعت یا بدبو کے ساتھ میں مسجد میں داخل ہونے کا موجب بنے گا اور یہ دونوں ممنوع و ناجائز ہیں اور ایسا مباح کام جو کسی ممنوع امر کی طرف لے جائے وہ بھی ممنوع و ناروا ہو گا۔

فتاویٰ رضویہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”رائحہ کریہہ کے ساتھ مسجد میں جانا، جائز نہیں۔“ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثۃ فلا یقربن مصلانا فان الملٰئکۃ تتأذی مما یتأذی منہ بنواٰدم۔ ”حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق کہ جو اس درخت خبیثہ (یعنی تھوم) کو کھائے وہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے کہ جس بات سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت کرتے ہیں۔(ت) تو اگر حقہ سے منہ کی بو متغیر ہو، بے کلی کئے منہ صاف کئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں، اسی قدر سے خود حقہ پر حکم ممانعت نہیں جیسے کچا لہسن، پیاز کھانا کہ بلاشبہ حلال ہے اور اسے کھا کر جب تک بو زائل نہ ہو مسجد میں جانا ممنوع، مگر **جو حقہ ایسا کثیف و بے اہتمام ہو کہ معاذ اللہ تغیرِ باقی پیدا کرے کہ وقتِ جماعت تک بو زائل نہ ہو، تو قربِ جماعت میں اس کا پینا شرعاً ناجائز کہ اب وہ**

ترکِ جماعت وترکِ سجدہ یا بدبو کے ساتھ دخولِ مسجد کا موجب ہو گا اور یہ ممنوع وناجائز ہیں اور ہر مباح فی نفسہ کہ امر ممنوع کی طرف مؤدی ہو، ممنوع وناروا۔"[1]

(5)... 29 ذیقعدہ کو ذی الحجہ کا چاند تلاش کرنا عام لوگوں پر واجبِ کفایہ اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مقدماتِ منصوصہ سے اپنی فقہی مہارت سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ 29 ذیقعدہ کو ذی الحجہ کا چاند تلاش کرنا عام لوگوں پر واجبِ کفایہ اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ ہے، کیونکہ حج، نمازِ عید، قربانی اور تکبیراتِ تشریق کے اوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو عام لوگوں پر اس کی تلاش واجب کفایہ ہونی چاہیے، جبکہ اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ کہ اگر چاند 29 کا ہوا اور انہوں نے 30 کا اعلان کر دیا، تو وقوفِ عرفہ کہ حج کا فرضِ اعظم رُکن اکبر ہے، اپنے وقت سے باہر یوم النحر میں واقع ہو گا اور عام لوگوں کو کسی فرض میں خلل کا اندیشہ نہیں، پر واجبات میں دقّت آئے گی، مثلاً کسی ضرورت سے نمازِ عید کی تاخیر بارھویں تک چاہی تو یہ جسے بارہویں سمجھے ہیں وُہ تیرہویں ہے۔ اور ایّامِ نماز کہ ایامِ نحر تھے گزر چکے، نماز بے وقت ہوئی، بہت لوگ بارہویں کو قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں بے وقت ہوں گی، عرفہ کی صبح سے ہر نماز کے بعد تکبیر واجب ہوتی ہے، واقع میں جو عرفہ ہے یہ اُسے آٹھویں جان کر تکبیریں نہ کہیں گے۔ **پھر مقدماتِ منصوصہ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ فرض تک پہنچانے والی چیز فرض ہوتی ہے اسی طرح واجب تک پہنچانے والی چیز واجب ہوتی ہے تو اہلِ موسم پر کوشش کرنا فرض اور دوسروں پر واجب ہے۔**

1... فتاویٰ رضویہ، ج25، ص94، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"(م)نمبر۳: ۲۹ذیقعدہ کو ہلال ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔(ش)نمبر۳: اقول یہ یوں ضروری ہوا کہ حج و نماز عید و قربانی و تکبیراتِ تشریق کے اوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو اس کی تلاش عام لوگوں پر واجب کفایہ ہونی چاہئے اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ کہ وہاں بے خیالی میں چاند ۲۹ کا ہوگیا اور بنار کھا ۳۰ کا، تو وقوفِ عرفہ کہ حج کا فرضِ اعظم رُکن اکبر ہے، اپنے وقت سے باہر یوم النحر میں واقع ہوگا اور عام لوگوں کو کسی فرض میں خلل کا اندیشہ نہیں، پر واجبات میں دقّت آئے گی، مثلاً کسی ضروت سے نمازِ عید کی تاخیر بارھویں تک چاہی تو یہ جسے بارہویں سمجھے ہیں وُہ تیرہویں ہے۔ اور ایّامِ نماز کہ ایامِ نحر تھے گزر چکے، نماز بے وقت ہوئی، بہت لوگ بارہویں کو قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں بے وقت ہونگی، عرفہ کی صبح سے ہر نماز کے بعد تکبیر واجب ہوتی ہے، واقع میں جو عرفہ ہے یہ اُسے آٹھویں جان کر تکبیریں نہ کہیں گے۔ وکما ان مایتوصل بہ الی الفرض فرض فکذا ان مایتوصل بہ الی الواجب واجب فصح الافتراض علی اھل الموسم والوجوب علٰی غیرھم ھذا کلہ ماذکرتہ تفقھا وارجوان یکون صوابا ان شاءاللہ تعالٰی۔ جیسا کہ فرض تک پہنچانے والی چیز فرض ہوتی ہے اسی طرح واجب تک پہنچانے والی چیز واجب ہوتی ہے تو اہلِ موسم پر کوشش کرنا فرض اور دوسروں پر واجب ہے، تمام جو میں نے بیان کیا یہ بطورِ تفقہ ہے اور امید ہے کہ یہ انشاء اللہ تعالٰی صواب ہوگا۔(ت)[1]

(6)...مائعات کی اقسام:

مقدماتِ منصوصہ سے استدلال کی ایک مثال یہ ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

1...۔ فتاویٰ رضویہ، ج10، ص450، 451، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

اپنے رسالہ " الدقة والتبيان لعلم الرقة والسيلان" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مائعات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے اجزا میں اصلاً تماسک نہیں جیسے نتھرا پانی، دوسری جن میں نوع تماسک ہے جیسے شہد۔ یہاں سے جس طرح اُن کی رقت وغلظت کا فرق پیدا ہوتا ہے کہ اول اپنے اتصال حسی کہ بہت باریک اجزاء پر تقسیم کر سکتا ہے بخلاف ثانی یوں ہی اُن کے سیلان میں بھی تفاوت آئے گا اول جب جگہ پائے گا بالکل منبسط ہو جائے گا دَل اصلانہ رہے گا کہ اجزاء جو عدم وسعت کے سبب زیر و بالا متراکم تھے وسعت پاکر سب پھیل جائیں گے کہ ہر جز طالب مرکز ہے اگر اجزائے بالا بالا ہی رہیں بہ نسبت اجزائے زیریں مرکز سے دور ہوں گے جگہ پاکر بلا مانع دور رہنا مقتضائے طبیعت سے خروج ہے کہ عادۃً ممکن نہیں، بخلاف ثانی کہ اجزا میں ایک نوع تماسک کے سبب سب نہ پھیل سکیں گے ختم سیلان پر بھی مبدء سے منتہی تک ایک ابھرا ہوا جُرم نظر آئے گا جیسا کہ مرئی ومشاہد ہے کہ اگر پختہ زمین یا تخت یا سینی یا لوہے کی چادر پر شہد بہایئے، بہاؤ رکنے پر بھی یہاں سے وہاں تک اُس سطح سے اونچا شہد کا ایک دل قائم رہے گا جسے خشک ہونے کے بعد چھیل سکتے ہیں۔ بے اس کے کہ زمین کا کچھ حصہ چھلے لیکن اگر پانی بہائے اور پورا بہہ جانے سے کوئی روک نہ ہو تو ختم سیلان کے وقت اُس سطح پر اول تا آخر ایک تری کے سوا پانی کا کوئی دل نہ رہے گا ہمارے ائمہ اسی قسم اول کا نام رقیق اور ثانی کا کثیف رکھتے ہیں۔ فقیر اسے روشن دلیل سے واضح کرے فاقول وباللہ التوفیق **یہ دلیل ایک قیاس مرکب ہے تین مقدمات پر مشتمل :**

مقدمہ اُولیٰ:

ہمارے ائمہ نے باب نجاسات میں دو قسمیں فرمائی ہیں جرم دار و بے جرم، اول کی مثال لید وغیرہ سے دیتے ہیں اور دوم کی بول وخمر وغیرہما سے۔

بالجملہ اصطلاح فقہائے کرام میں رقیق وبے جرم ایک چیز ہیں۔

مقدمہ ثانیہ:

جسم کثیف ہو خواہ رقیق اِس کا بے جرم ہونا کیونکر متصور کہ جرم وجسم ایک شَی ہیں اور اگر جرم بمعنی ثخن لیجئے یعنی عمق جسے دَل کہتے ہیں تو جسم کو اُس سے بھی چارہ نہیں کہ اُس میں ابعاد ثلثہ ضرور ہیں لہٰذا خود علماء نے اس کی تفسیر فرمائی کہ بے جرم سے یہ مراد کہ خشک ہونے کے بعد مثلاً بدن یا کپڑے کی سطح سے اُبھرا ہو اُس کا کوئی دَل محسوس نہ ہو اگرچہ رنگ نظر آئے۔ان مباحث میں اسی کو غیر مرئی بھی کہتے ہیں یعنی بنظرِ جرم نہ بنظرِ لون۔

مقدمہ ثالثہ:

ثابت ہوا کہ رقیق وہ ہے کہ زمین وغیرہ جس شی پر پڑے خشک ہونے کے بعد اس کا دل محسوس نہ رہے اور بالبداہۃ ظاہر کہ یہ اُسی شی میں ہو گا جو بہنے میں تمام وکمال پھیل جائے ورنہ اجزاء زیر وبالا رہے تو ضرور دَل محسوس ہو گا تو دلیل قطعی سے روشن ہوا کہ یہاں رقیق اس مائع قسم اول کا نام ہے یہ ہی وہ تحقیق معنی رقیق کہ ان سطور کے سوا نہ ملے گی ۔وباللہ التوفیق ولہ الحمد علی ھدایۃ الطریق۔[1]

---

1 ... ملخص از: فتاویٰ رضویہ، ج03، ص62 تا84، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

تفقہ فی الدین ہر کس وناکس کا منصب نہیں!

خیال رہے کہ اس کتاب سے ہمارا مقصود مقلدین فقہائے کرام کی صلاحیتوں اور ان کے علمی کارناموں کو متعارف کروانا تھا کہ یہ حضرات مقلد ہونے کے باوجود فقہی احکامات وجزئیات میں کس قدر نظر و استدلال اور ترجیح و تطبیق سے کام لیتے ہیں، تاکہ اس سے اندازہ لگایا جا سکے کہ تقلید کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ محض نقل پر جمود ہو، نظر و استدلال بالکل نہ ہو، جیسا کہ مقدمہ میں گزرا، مگر اس کتاب کو پڑھ کر ہر گز کوئی یہ نہ سمجھے کہ شعبہ فقہ سے وابستہ ہر فرد یہ امور سرانجام دے سکتا ہے، بلکہ استدلال واستنباط ایک مخصوص طبقۂ فقہاء کا کام ہے، کیونکہ تفقہ فی الدین اور مسائل شرعیہ میں نظر واستدلال ایسا بلند مقام و مرتبہ ہے جو ہر کس وناکس کو حاصل نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے اس خاص بندہ کو حاصل ہوتا ہے جسے وہ بہت بڑی بھلائی عطا فرمانا چاہتا ہے، جیسا کہ خود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ في الدین "اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔[1]

یہ حدیثِ پاک واضح کرتی ہے کہ فقہ محض سطحی علم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خصوصی فہم و بصیرت ہے جو انسان کو دین میں گہرائی کے ساتھ غور و فکر کرنے کے قابل بناتی ہے، تو جس شخص کو یہ بصیرت حاصل نہیں اسے ان امور میں دخل اندازی کی کیوں کر اجازت ہو گی؟ لہذا چند کتابیں پڑھ کر یا فقہ میں سطحی مشغولیت اختیار کر کے کوئی شخص یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ شرعی استدلالات میں فقہائے کرام کے ہم پلہ ہو گیا ہے، یہاں تک کہ وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

1... صحیح بخاری، ج1، ص39، مطبوعہ: دار ابن کثیر دمشق۔

جیسے جلیل القدر امام سے اختلاف کا خود کو اہل سمجھنے لگے، تو یہ مہلک اور دین میں فساد کا باعث ہو گا۔ بد قسمتی سے آج کل ایسے افراد منظر عام پر آرہے ہیں جو فقہی مسائل میں جدیدیت کے نام پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اور مذہب حنفی کے واضح و منقح مسائل و جزئیات سے بلاوجہ انحراف کر رہے ہیں، نت نئی آراء پیش کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ اصولِ فقہ و اصولِ حدیث کی باریکیوں سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں، نہ ہی علمی و تحقیقی معیار پر پورا اترتے ہیں جو کسی بھی مستند فقیہ کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ایسے افراد کی ناپختہ آراء امت میں گمراہی اور انتشار پھیلانے کا سبب بن رہی ہیں، ایسے نام نہاد محققین کا اصل نقصان یہ ہے کہ وہ عوام کو بھی گمراہ کرتے ہیں، انہیں مستند علماء سے بد ظن کرتے ہیں اور خود ساختہ نظریات کو فروغ دے کر امت میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایسے خود ساختہ "محققین" کی پیروی سے بچیں، مستند علماء کی رہنمائی حاصل کریں۔

اس لیے کہ یہ امور صرف خاص فقہائے کرام ہی کی شان ہیں، یہی وجہ ہے کہ محققین حضرات نے ان خاص فقہائے کرام کے طبقات اور ان میں سے ہر ایک کے کام کو مفصل بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ عوام الناس اور وہ افراد جو علمِ فقہ میں ابتدائی درجہ رکھتے ہیں، وہ اپنے دائرۂ کار میں رہیں، یہ تقسیم فقہ کے نظام میں نظم وضبط، فقہائے کرام میں درجہ بندی اور ہر درجے کے فقیہ کی ذمہ داری کو واضح کرتی ہے۔ یہ درجہ بندی اس حقیقت کو بھی اجاگر کرتی ہے کہ ہر فقیہ کو فقہ میں استدلال و استنباط کا حق نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے مخصوص علمی مقام اور نظر و استدلال کی صلاحیت ضروری ہے۔

چنانچہ محقق ابن کمال پاشا نے اپنے بعض رسائل میں فقہا کے سات طبقات کی توضیح فرمائی ہے:

1 **مجتہدین فی الشرع** جیسے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی،

امام احمد بن حنبل رحمہم اللہُ اور ان کے علاوہ وہ حضرات جو قواعد و اصول کی تاسیس میں ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور اسی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہوں۔

2 مجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام اعظم ابو حنیفہ کے دوسرے تلامذہ رحمہم اللہُ۔ یہ حضرات اپنے استاذ امام ابو حنیفہ کے مقرر فرمودہ استخراج احکام کے قواعد کے مطابق دلائل شرعیہ سے استخراج احکام کی صلاحیت رکھتے ہیں، اگرچہ بعض احکام فروع میں ان کی مخالفت کرتے ہیں لیکن قواعد و اصول میں ان کے مقلد و تابع ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ حضرات معارضین فی المذہب مثلاً امام شافعی وغیرہ سے ممتاز ہوتے ہیں جو احکام میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور اصول میں ان کی تقلید نہیں کرتے۔

3 مجتہدین فی المسائل جیسے امام ابو بکر خصاف، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابو الحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، امام فخر الاسلام بزدوی اور امام فخر الدین قاضی خان وغیرہ رحمہم اللہ۔ یہ حضرات اصول و فروع میں مخالفت نہیں کر سکتے، البتہ جن مسائل کے بارے میں ائمۂ مذاہب سے کوئی نص نہیں ان میں انہیں کے وضع کردہ اصول و قواعد کی روشنی میں احکام کا استنباط کرتے ہیں۔

4 اصحابِ تخریج جیسے امام ابو بکر احمد بن علی رازی وغیرہ۔ یہ حضرات مقلدین، اجتہاد کی اصلا قدرت نہیں رکھتے، البتہ احاطہِ اصول اور ضبطِ مآخذ کے سبب اپنی رائے سے اصول میں نظر و فکر اور نظائر پر قیاس کے ذریعہ صاحب مذہب یا ان کے کسی تلمیذ سے منقول ایسے مجمل قول کی تفصیل کر سکتے ہیں جو دو طرح کا معنی رکھتے ہیں، اسی طرح ایسے مبہم حکم کی تعیین کر سکتے ہیں جس میں دو احتمال ہے۔

5 **اصحابِ ترجیح** جیسے امام ابو الحسن قدوری ،صاحب ہدایہ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی وغیرہ۔ ان حضراتِ مقلدین کا کام اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینا ہے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ: هذا أولى وهذا أصح رواية وهذا أوفق للناس۔

6 **اصحابِ تمیز** جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ اور صاحب مجمع ۔یہ حضرات مذہب کے اقوی، قوی، ضعیف، ظاہر مذہب اور روایت نادرہ کے درمیان تمیز کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کا کام اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہ کرنا ہے۔

7 **مقلدین محض** جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت نہیں ہوتی ، یہ حضرات کھرے اور کھوٹے کی تمیز نہیں رکھتے۔(بس ائمہ مذہب کے اقوال نقل کرسکتے ہیں)۔

رد المحتار میں ہے:" والفقهاء على سبع مراتب وقد أوضحها المحقق ابن كمال باشا في بعض رسائله: الأولى: طبقة المجتهدين في الشرع كالأئمة الأربعة رضي الله عنهم ومن سلك مسلكهم في تأسيس قواعد الأصول، وبه يمتازون عن غيره. الثانية: طبقة المجتهدين في المذهب كأبي يوسف ومحمد وسائر أصحاب أبي حنيفة، القادرين على استخراج الأحكام من الأدلة على مقتضى القواعد التي قررها أستاذهم أبو حنيفة في الأحكام وإن خالفوه في بعض أحكام الفروع، لكن يقلدونه في قواعد الأصول، وبه يمتازون عن المعارضين في المذهب كالشافعي وغيره المخالفين له في الأحكام غير مقلدين له في الأصول. الثالثة: طبقة المجتهدين في المسائل التي لا نص فيها عن صاحب المذهب كالخصاف وأبي جعفر الطحاوي وأبي الحسن الكرخي وشمس الأئمة الحلواني وشمس الأئمة السرخسي وفخر الإسلام البزدوي وفخر الدين قاضي خان وأمثالهم، فإنهم لا يقدرون على شيء من المخالفة لا في الأصول ولا في الفروع لكنهم يستنبطون الأحكام في المسائل التي لا نص فيها على

حسب الأصول والقواعد.الرابعة: طبقة أصحاب التخريج من المقلدين كالرازي وأضرابه، فإنهم لا يقدرون على الاجتهاد أصلا، لكنهم لإحاطتهم بالأصول وضبطهم للمآخذ يقدرون على تفصيل قول مجمل ذي وجهين، وحكم مبهم محتمل لأمرين، منقول عن صاحب المذهب أو أحد من أصحابه برأيهم ونظرهم في الأصول والمقايسة على أمثاله ونظائره من الفروع. وما في الهداية من قوله كذا في تخريج الكرخي وتخريج الرازي من هذا القبيل. الخامسة: طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين كأبي الحسن القدوري، وصاحب الهداية وأمثالهم، وشأنهم تفضيل بعض الروايات على بعض، كقولهم هذا أولى، وهذا أصح رواية، وهذا أوفق للناس. والسادسة: طبقة المقلدين القادرين على التمييز بين الأقوى والقوي والضعيف وظاهر المذهب والرواية النادرة، كأصحاب المتون المعتبرة من المتأخرين، مثل صاحب الكنز، وصاحب المختار، وصاحب الوقاية، وصاحب المجمع، وشأنهم أن لا ينقلوا الأقوال المردودة والروايات الضعيفة. والسابعة: طبقة المقلدين الذين لا يقدرون على ما ذكر، ولا يفرقون بين الغث والسمين اھ بنوع اختصار۔ ملخصاً۔ "مفہوم اوپر گزرا۔[1]

غور فرمائیں کہ امام ابو الحسن قدوری ،صاحب ہدایہ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی وغیرہ کس قدر بلند پایہ فقیہ ہیں، لیکن محققین حضرات نے ان کو اصحاب ترجیح یعنی فقہاء کے پانچویں طبقے میں شمار کیا ہے ،یونہی صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ اور صاحب مجمع وغیرہ جیسے بے مثال فقہاء کو اصحاب تمیز یعنی فقہاء کے چھٹے طبقے میں شمار کیا ہے، تو پھر آج کل دو چار فقہ کی کتابیں پڑھ لینے والے کو ان کے مقام و مرتبے اور ان کے کام سے کیا علاقہ ہو گا؟ یہ ایک پیچیدہ اور حساس علم ہے جس میں معمولی سی غلطی بھی دین میں بگاڑ پیدا کر سکتی ہے۔ اسی لیے جو لوگ اس علم کی مکمل اہلیت نہیں رکھتے، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس میں دخل اندازی سے گریز کریں۔ محققین علمائے کرام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ احکام شرعیہ میں نظر

---

1 ... ردالمحتار، ج1، ص181 تا184، مطبوعہ کوئٹہ۔

واستدلال اور مسائلِ شرعیہ کا استنباط ایک مخصوص طبقۂ فقہاء کا کام ہے ،اس کے لئے بے پناہ خداداد صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مطالعہ میں توسع ،تفقہ اور شیخِ حاذق کا مطب از حد ضروری ہے،جیسا کہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"حدیث و تفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ للہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ،جو ان شروط کا جامع،وہ اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہے۔"[1]

اس کے مطابق اگر ہم اپنے دور کا جائزہ لیں تو اس کا بہت فقدان ہے،جیسا کہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت علامہ مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:"اس زمانہ پر آشوب وفساد میں کہ بازار علم کاسد ہے،اور آزارِ جہل روز بروز زائد،خدا ناشناسان بے قید وبند،وہوا داران ہوائے نفس آزادی پسند...نے بفتویٰ جہلِ مرکب ائمہ امت و مجتہدانِ ملت بن کر بحکم "فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا" وہ مسائل اپنے امثال جہاں کو تعلیم کئے کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور اُن کے بھی خار راہ بنے۔"[2]

بلکہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا۔[3]

بلکہ فقیہ بننے کے لئے کثیر مطالعہ اور کئی امور پر مہارت ہونا ضروری ہے،جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"فقاہت کے کیا معنی ہیں؟فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت

1... فتاویٰ رضویہ،ج18،ص590،مطبوعہ:رضافاؤنڈیشن،لاہور۔

2... اصول الرشاد،ص38،مطبوعہ مکتبہ برکات المدینہ،کراچی۔

3... فتاویٰ رضویہ،ج10،ص442،مطبوعہ:رضافاؤنڈیشن لاہور۔

نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے، یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے، بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ وضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم تنقیح مناط ولحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیات غامضہ وظاہر ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتین وسیر مراتب ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد ین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے، اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القا فرماتا ہے: ﴿وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔ **صدہا مسائل میں اضطراب شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحب توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامن ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہ تنقیح لیتا ہے توفیق ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے**، اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے۔"[1]

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ محض سطحی مطالعہ اور چند

---

1 ... فتاویٰ رضویہ، ج16، ص377،376، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

فقہی مباحث سے آگاہی کسی کو فقہ کا ماہر نہیں بنا دیتی۔ فقہ درحقیقت عمیق بصیرت، علمی رسوخ، اصولی استنباط اور گہرے غور و فکر کا تقاضا کرتی ہے، جو صرف مستند و محقق فقہاء کے حصے میں آتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی علمی حیثیت پہچانے اور دینی مسائل میں معتبر فقہاء کی رہنمائی کے بغیر کسی بھی خود ساختہ رائے زنی سے باز رہے۔ یہی دین کے تحفظ اور شریعت کی صحیح فہم کا ذریعہ ہے۔

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

**کتبـــــــ

ماخذ ومراجع

نمبر شمار	کتاب	مصنف / مؤلف	مطبوعہ
1	قرآن مجید	کلام الٰہی عزوجل	مکتبۃ المدینہ
2	صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ	دار طوق النجاۃ، بیروت
3	المبسوط	شمس الائمہ ابو بکر محمد بن ابی سہل سرخسی رحمۃ اللہ علیہ	دار المعرفۃ، بیروت
4	ھدایہ	برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ	ملتان
5	بدائع الصنائع	علاء الدین ابو بکر الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ	دار الکتب العلمیہ
6	البحر الرائق	ابن نجیم زین الدین بن ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ	دار الکتاب الاسلامی
7	حاشیۃ الشلبی	شہاب الدین احمد بن محمد الشلبی رحمۃ اللہ علیہ	القاھرہ
8	تنویر الابصار	محمد بن عبد اللہ بن احمد تمر تاشی رحمۃ اللہ علیہ	کوئٹہ
9	در مختار	محمد بن علی (علاء الدین) حصکفی رحمۃ اللہ علیہ	کوئٹہ
10	حاشیۃ الطحطاوی	احمد بن محمد الطحطاوی رحمۃ اللہ علیہ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
11	رد المحتار	ابن عابدین محمد امین الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ	کوئٹہ
12	جد الممتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ	مکتبۃ المدینہ، کراچی
13	فتاوی رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ	رضا فاؤنڈیشن، لاھور
14	بہارِ شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ	مکتبۃ المدینہ، کراچی
15	فتاوی خلیلیہ	مفتی خلیل خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ	ضیاء القرآن، لاھور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”فرمانِ مجددِ دین وملت رحمۃ اللہ علیہ“

شیخ الاسلام والمسلمین امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”اس زمانۂ فتن میں لوگوں کو احکامِ شرع پر سخت جرأت ہے، خصوصاً ان مسائل میں جنہیں حوادثِ جدیدہ سے تعلق ونسبت ہے۔ سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمہ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا، جو مخالفت شرع کا ہم پر الزام چلے گا، مگر نہ جانا، کہ علمائے دین نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے، تصریحاً، تلویحاً، تفریعاً، تاصیلاً سب کچھ فرمادیا ہے اور اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز زمانہ ان بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوگا، جو مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف، صدف سے گوہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالیٰ قادر ہوں۔ زمانہ ان فضلاء سے خالی نہیں؛ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہمارے علاقوں میں اور زیادہ کرے۔ آمین برحمتك یا ارحم الراحمین“

(فتاویٰ رضویہ، جلد10، صفحہ366، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net